ترجمہ

نِهَايَةُ الآمَالِ

فِيْ

صِحَّةِ وَ شَرْحِ حَدِيْثِ عَرْضِ الْاَعْمَالِ

بنام

نگاہِ نبوت

اور

مشاہدۂ اعمالِ امّت

مؤلف

حافظ ابوالفضل عبداللہ الغماری الحسنی الادریسی

مترجم

علامہ رسول بخش سعیدی

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی فون: 2439799

نام کتاب	:	نگاہِ نبوت اور مشاہدۂ اعمالِ امّت
مؤلف	:	حافظ ابوالفضل عبداللہ الغماری الحسنی الادریسی
مترجم	:	علامہ رسول بخش سعیدی
سن اشاعت	:	جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ ۔ جون ۲۰۰۸ء
تعداد اشاعت	:	۲۸۰۰
ناشر	:	جمعیت اشاعت اہلسنّت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار میٹھادر، کراچی فون: 2439799

خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net پر موجود ہے۔

فہرست مضامین

پیش لفظ

اللہ ربّ العزت نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جن فضائل و کمالات سے نوازا ہے، منجملہ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ پر آپ کی اُمّت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، آپ اپنی اُمّت کے اعمال ملاحظہ فرمانے کے بعد ان کی نیکیوں پر خوش جب کہ گناہوں پر نظر پڑنے کے بعد ان کے لئے بخشش و مغفرت کی دعا فرماتے ہیں۔

ابن تیمیہ سے لے کر محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی سے لے کر احسان الٰہی ظہیر تک تمام غالی منافقین کا شروع سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ ہر اُس حدیث اور حکایت و واقعہ کا انکار کر دیتے ہیں جس سے حضور ﷺ کا شان و عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور اگر دلائل قاہرہ و باہرہ کے اس راہ میں حائل ہونے کی بنا پر وہ انکار نہ کر سکتے ہوں تو بے جا تاویلات کا دفتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ وہ اپنی نام نہاد توحید کے نام پر کرتے ہیں، حالانکہ گنبد خضریٰ پر سنگ باری کرنے والے یہ بے توفیق لوگ اگر چشمِ حقیقت سے دیکھتے تو یہ راز ان پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا کہ ان کے اس طرز عمل کی بناء پر در حقیقت کعبے کی دیواروں میں بھی شگاف پڑ رہے ہیں۔

اپنی نا زیبا عادتوں سے مجبور کم عقل و کم فہم وہابیہ نے انتہائی گھٹیا اور معاندانہ اندازِ تحریر میں اس حدیث مبارکہ پر بھی بے جا اعتراضات کی حماقت کی، جس میں آپ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جانے کا تذکرہ ہے۔

زیر دست تحریر انہیں منافقین کی بے پَر کی اڑائی ہوئی باتوں نا قابلِ تردید ردو ابطال پر مشتمل ہے جسے ماضی قریب کے ایک جلیل القدر محدث حافظ ابو الفضل عبداللہ الغماری علیہ رحمۃ اللہ الباری نے تحریر فرمایا ہے، جب کہ ترجمہ کی سعادت فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا رسول بخش سعیدی مدظلہ نے حاصل کی ہے اور جگہ جگہ تحریر کردہ حواشی

استاذ گرامی قبلہ مفتی محمد عطاءاللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کے رشحاتِ قلم کا...... نتیجہ ہیں۔

جمعیت اشاعت اہلسنّت نے اپنے سلسلۂ اشاعت کی لڑی میں اس جگمگاتے موتی کو ۷۰ ویں نمبر پر پرو کر جہاں اس لڑی کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر لیا ہے وہیں یہ اہلسنّت کے اردو داں طبقے کے لئے ایک بیش بہا نعمت بھی ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ عزوجل اس تحریر کو اہل عشق و محبت کے لئے فرحت و سرور کا موجب اور اہل بدعت و شقاوت کے لئے ہدایت کا سبب بنائے، آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد عمران معراج نافع القادری
مدرس جامعۃ النور، نور مسجد، میٹھادر، کراچی
فاضل جامعہ نضرۃ العلوم، گارڈن، کراچی

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و لطف اور نبی اکرم ﷺ کی نظر عنایت سے جنوری ۱۹۹۶ء میں حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی، اس دفعہ جن کُتب کی تلاش تھی ان میں امام ابن حجر مکی کی کتاب ''الجوهر المنظم'' بھی تھی، مدینہ طیبہ کے ایک مکتبہ پر اسی کتاب کی تلاش میں گئے تو وہاں سے شیخ عبداللہ بن حافظ ابوالفضل عبداللہ الغماری الحسنی الادریسی کی متعدد کُتب حاصل ہو گئیں جو ہمارے لئے نہایت ہی عظیم تحفہ تھیں، ان کُتب کا مطالعہ کیا تو ان میں جا بجا شیخ نے اپنی دو اہم کُتب کا تذکرہ کیا تھا (۱) الرد المحکم المتین (۲) نہایۃ الآمال، حاصل شدہ کتب میں یہ دونوں موجود نہ تھیں، دل میں بار بار آرزو پیدا ہوئی کہ ان کُتب کو کیسے اور کہاں سے حاصل کیا جائے، ایک دن بندہ جامعہ محمدیہ غوثیہ داتا نگر لاہور میں علامہ خان محمد قادری پرنسپل جامعہ ہذا سے ملنے گیا تو وہاں مولانا محمد اکرم الازہری استاذ جامعہ ہذا بھی ملاقات ہو گئی، اپنے شوق کے مطابق ان کی کُتب دیکھنا شروع کیں تو وہاں سے یہ مذکورہ دونوں کُتب حاصل ہو گئیں، اب خیال یہ تھا کہ ان کا ترجمہ جلدی شائع ہونا چاہئے، انہی دنوں ہمارے ساتھی علامہ رسول بخش سعیدی استاذ جامعہ اسلامیہ بہ منگھم پاکستان آئے ہوئے تھے، نہایۃ الآمال کے ترجمہ کے بارے میں انہوں نے حامی بھر لی، بحمداللہ انہوں نے نہایت ہی جلد اور بہت ہی خوبصورت ترجمہ کر کے بھیج دیا۔

زیرِ نظر کتاب کی اہمیت

اُمّتِ مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وصال کے بعد حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے برزخ میں دنیوی زندگی سے بڑھ کر سب سے اعلیٰ جسمانی زندگی سے نوازا ہے، آپ کا اُمّت سے

تعلق قائم و دائم ہے، جس طرح ظاہری حیات میں آپ ﷺ سے بارگاہِ خداوندی میں سفارش و شفاعت کے لئے عرض کیا جاتا ہے، اسی طرح آج بھی آپ سے عرض کیا جا سکتا ہے، آپ اپنے امت کے احوال سے آگاہ رہتے ہیں، جہاں تشریف لے جانا چاہیں وہاں جلوہ افروز ہوتے ہیں، غلاموں پر آپ کی شفقتیں جاری و ساری ہیں، الغرض دیکھنے والی آنکھ آج بھی ان کی زیارت کا شرف پاتی ہے۔

دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

کتاب و سنت میں اس عقیدہ پر جو دلائل ہیں ان میں سے ایک اہم دلیل آپ ﷺ کا یہ مقدس فرمان بھی ہے: ''حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ وَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ أَعْمَالُکُمْ'' جو واضح کر رہا ہے کہ آپ کا تعلق اُمّت سے ٹوٹا نہیں بلکہ بحال ہے اور آپ کی نگاہِ مقدسہ احوالِ اُمّت کا مشاہدہ فرماتی ہے۔

کچھ لوگ اسے تسلیم نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اب آپ سے امّت کا تعلق ختم ہو چکا ہے اب آپ سے شفاعت وغیرہ کی درخواست کرنا اسلام کی سراسر مخالفت ہے، مثلاً شیخ صالح بن عبدالعزیز لکھتے ہیں:

> أما بعد انتقاله إلى الرفيق الأعلى و الحياة البرزخية فقد انقطع ما كان يعمله في حياته من الدعاء لمن طلب منه و الشفاعة لمن استشفعه و ما خرج مردود الأبيض و لا نص منقول يدلّ عليه لا صحيح و لا حسن ولا ضعيف
>
> رفیقِ اعلیٰ اور برزخی زندگی کی طرف منتقل ہو جانے کے بعد ظاہری حیات والا معاملہ نہیں رہا، اب نہ تو آپ دعا کروانے والے کے لئے دعا کر سکتے ہیں اور نہ ہی شفاعت طلب کرنے پر شفاعت کرتے ہیں اور جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا اس کا عقیدہ مردود ہے، ہاں اس عقیدہ میں کوئی نص لاؤ اور یہاں تو کوئی نص

ہے ہی نہیں، نہ صحیح، نہ حسن، اور نہ ضعیف۔ (ہذہ مفاہیمنا: ۸۳)

یہاں یہ بات سامنے رہنی چاہئے کہ صحابہ سے لے کر آج تک لاکھوں اولیاء صلحا آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرتے ہیں، اگر چہ یہ عقیدہ باطل ہے تو ان تمام کا عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟

مذکورہ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے کہ یہ حدیث مُرسَل ہے اور وہ محدّثین کے ہاں مقبول نہیں اور اگر اس کے راوی ثقہ ہیں تو اس سے اس کا متصل ہونا ثابت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ (ہذہ مفاہیمنا: ۸٦)

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، شیخ عبد اللہ الغماری کو جنہوں نے اس کتاب میں مخالفین کی ایک ایک بات کا علمی تجزیہ کرکے واضح کر دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مخالفین کے تمام اعتراضات ان کی کم علمی اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ہیں، مصنف نے اصول وقواعد کے مطابق گفتگو کرکے کہا اب اس کے بعد کوئی میدان میں آکر اس حدیث کی صحت وثبوت کے خلاف دلائل لاکر دکھائے۔

امیدوارِ شفاعت

محمد خان قادری

جامعہ اسلامیہ، لاہور

۱۴/اکتوبر ۱۹۹٦ء بروز پیر

تقریظ

(از مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ)

مصنف: اسم گرامی امام عبد اللہ الغماری الحسنی الادریسی ہے، آپ چودھویں صدی ہجری کے علماء ربانیین میں سے ہیں ان کا اصل وطن مراکش ہے لیکن مصر کو اپنا مسکن قرار دیا اور تمام زندگی یہاں علمی، دینی خدمات سرانجام دیتے رہے کیونکہ مراکش کی نسبت تحقیق واشاعت کے مواقع اور سہولیات مصر میں زیادہ ہیں، چنانچہ آپ نے یہاں درس وتدریس کے ساتھ ساتھ بیسیوں کُتُب تصنیف فرمائیں جو زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر مقبول عام ہوئیں۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ میں مشہور محقق وعلماء شامل ہیں، عرب ممالک میں سوادِ اعظم اہل سنّت و جماعت کے ترجمان علماء کی اکثریت بلا واسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں، چند معروف جید علماء جن کو آپ سے شرفِ تلمذ ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: شیخ محمود سعید ممدوح دبئ، شیخ حسن علی السقاف مراکش۔

تصانیف: آپ کی کل تصانیف کی صحیح تعداد کو معلوم نہ ہو سکی مگر جو ہمیں دستیاب ہو سکیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ اتقان الصنعة فی تحقیق معنی البدعة (بدعت کے بارے میں تحقیق)

۲۔ الرد المحکم المتین علی کتاب القول المبین (عقائد صحیحہ کا اثبات)

۳۔ جواهر البیان فی تناسب سُوَرِ القرآن (قرآنی سورتوں کی درمیانی ربط)

۴۔ نفخة الإلٰهیة فی الصلوٰة علی خیر البریة (درود وسلام)

۵۔ الأحادیث المنتقاة فی فضائل رسول اللہ ﷺ (فضائل وشمائل حضور اکرم ﷺ)

٦۔ توضیح البیان لوصول ثواب القران (ایصال ثواب)

۷۔ حسن التفهم و الدرك لمسألة الترك (مسئلہ ترک)

۸۔ نهاية الآمال في صحة و شرح حديث عرض الأعمال

۹۔ غاية التحرير في الكلام على حديث توسّل الضرير (مسئلہ توسل)

۱۰۔ النفخة الذكية في بيان أن الهجر بدعة شركية (مسلمانوں سے تعلق ختم کرنا بدعت ہے)

۱۱۔ القول المنقنع

آپ کی اکثر تصانیف کا تعلق احقاقِ حق و ابطالِ باطل سے ہے کیونکہ اس پُرفتن دَور میں جمہور اہلِ اسلام کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مخالفین نے جمہور مسلمانوں اور سوادِ اعظم کے مُسلّمات میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ نظریات میں افتراق پیدا کیا جائے اور وحدت کی بنیادوں کو کمزور کیا جا سکے، تو ایسے میں علماءِ حق کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اُمت کی وحدت کے لئے متفقہ اور مُسلّمہ مسائل و نظریات کا تحفظ کریں، چنانچہ مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے منصبی فریضہ کی ادائیگی میں اُمت کی اجماعی بنیادوں کا تحفظ فرمایا اور ابتداءِ اسلام سے آج تک کی مُسلّمات کی پاسداری میں ہر فتنہ اور فتنہ انگیز کا ابطال کیا، اسلام میں مجدّد کا منصب یہی ہوتا ہے کہ جمہور مسلمانوں کے اجماعی اور مُسلّمہ نظریات میں پیدا شدہ کمزوری کا ازالہ کر کے ان مُسلّمات کو بحال کرے تاکہ ملّتِ اسلامیہ کی اجتماعیت بحال رہ سکے۔

زیرِ نظر کتاب "نهاية الآمال" کے پس منظر میں ایسی ہی ایک سازش ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کے مُسلّمہ نظریہ کہ "رسول اللہ ﷺ کے حضور اُمت کے اعمال پیش ہوتے ہیں" میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حدیث پاک جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے:

تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ (الحديث)

ترجمہ: تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

کا انکار کرتے ہوئے اس کو کِذب اور جھوٹ سے تعبیر کیا گیا حتی کہ اس حدیث کے بیان کرنے والوں پر ناروا جملے استعمال کئے گئے تو مصنّف علیہ الرحمہ نے اس حدیث شریف کی صحت و مقبولیت کو واضح فرما کر سوادِ اعظم جمہور مسلمانوں کے اس نظریہ کا تحفظ اور پاسداری فرمائی۔

مصنّف علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں دلائل و براہین سے ثابت کیا یہ حدیث صحیح ہے اور مشہور محدّثین نے ثقہ راویوں کے ذریعے سندات کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی تائید میں کثیر تعداد میں شواہد پیش کئے اور پھر فنِ حدیث کے اصول و قواعد کی روشنی میں اِثبات فرما کر حدیث کا قابلِ حُجت اور مقبول ہونا ثابت کیا۔ اور آخر میں اس حدیث پر اعتراض کرنے والوں کو چیلنج کیا کہ اگر ہمت ہے تو اصول و قواعد کی روشنی میں دلائل سے اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت کریں جو کبھی ثابت نہ ہو سکے گا۔

اور آپ نے حدیث کا مذاق اڑانے والوں اور اس کو بیان کرنے والوں پر سَبّ و شتم کرنے والوں کے جواب میں فرمایا:

> البتہ عبارات میں کِذب بیانی، نقل میں تحریف، مخالف پر طعن و تشنیع کرنے میں کوئی عاجز نہیں ہے مگر اس کا ماہر وہی ہوتا ہے جو انتہائی جاہل اور اخلاقِ حمیدہ سے عاری ہوتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا:

> البتہ ہم اپنے مطالبہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے، ہمارا مطالبہ ایک ہی ہے کہ یہ لوگ صحیح علمی انداز میں قواعد کی روشنی میں اپنے مدعا کو ثابت کر دکھائیں۔

زیرِ بحث حدیث اور اس کی فنی حیثیت

- اس حدیث کی اجلہ محدّثین نے تخریج اور تصحیح فرمائی مثلاً ابو بکر احمد بن عمرو بن

عبدالخالق المعروف امام بزار (م۲۹۲ھ) نے اپنی مسند میں ذکر فرمایا اور کہا کہ اس کے رجال راوی صحیح ہے۔

امام ابو احمد عبداللہ بن عدی (م۳۶۵ھ) نے ''کامل ابن عدی'' میں، حافظ امام ابن حجر عسقلانی (م۸۵۲ھ) نے ''المطالب العالیہ'' میں، امام نورالدین امام علی بن ابی بکر (م۸۰۷ھ) نے ''مجمع الزوائد'' میں، امام حافظ زین الدین عراقی (م۸۰۶ھ)، صاحب الفیہ نے، اور امام ابن کثیر (م۷۷۴ھ) نے ''البدایہ والنہایہ'' میں اس کو روایت فرما کر اس کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے علاوہ امام علامہ جلال الدین سیوطی، ملا علی قاری، مرتضٰی زبیدی، شہاب الدین خفاجی، علامہ زرقانی، علامہ قسطلانی وغیرہم کثیر محدثین نے بھی اس کو روایت فرمایا ہے۔

- اس حدیث کو قرآن و احادیث مشہورہ سے تائید حاصل ہے، جن کو مصنف نے ذکر فرمایا۔
- اس حدیث کا قواعدِ شرعیہ کے مخالف ہونا بلکہ مطابق ہونا۔
- اس حدیث کا ملّتِ اسلامیہ کے اجماعی اور مُسلّمہ اصول کے مطابق ہونا کہ بدن کی موت کے بعد بھی روح زندہ و جاوید رہتی ہے اور سننا، دیکھنا، آنا جانا، ادراک و تصرّف چونکہ روح کی صفات ہیں لہٰذا بدن کی موت کے بعد بھی یہ صفات مومن کو حاصل رہتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔
- اس حدیث کا، عقائد و اعمال کے ثبوت کے متعلق نہ ہونا بلکہ صرف فضیلت سے متعلق ہونا جس کے لئے اس کا صحیح ہونا ضروری بھی نہیں ہے کیونکہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی بالاتفاق کافی ہے۔

دراصل حدیث کی صحت یا عدم صحت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ

ابتداء اسلام سے آج تک منافقین کی ایک ہی عادت ہے اور وہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی فضیلت پر تنقید کرنا ہے، خواہ وہ قرآن سے ثابت ہو یا صحیح حدیث سے ثابت ہو، ان لوگوں کو قبول نہیں اور کچھ نہ کر پائیں تو حیلے بہانے بنائیں گے، ورنہ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں امت کے اعمال کی پیشی سے انکار کی وجہ بتائیں، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ جسمانی و روحانی طور پر معاذ اللہ فنا ہو چکے، تو یہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور قُرب و بُعد کو بنیاد بنائیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اولاً قُرب و بُعد دنیا کا نظام ہے عالَمِ برزخ اور عالَمِ آخرت میں یہ نظام نہیں اور اگر ہو بھی تو کیا اللہ تعالیٰ قُرب و بُعد کا فرق برابر کرنے پر قادر نہیں ہے جب کہ حدیث بخاری کی صحیح حدیث ہے کہ:

فَإِذَا اَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمِعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ، اِلٰى آخر الحديث

یعنی، جب بندہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے۔

تو اس کا کیا مطلب ہے اس کا مطلب! بالاتفاق ائمہ نے یہ بیان فرمایا اللہ تعالیٰ محبوب بندے کو اپنی خاص قدرت سے نوازتا ہے جس کے ذریعے وہ قُرب و بُعد میں برابر ادراک رکھتا ہے، قریب و بعید سب کو سنتا، دیکھتا ہے، تو ظاہر بات ہے کہ جب عام محبوب بندوں کو قریب و بعید کا ہر جگہ سے علم ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کا کیا مقام ہوگا؟ یا رسول اللہ ﷺ کو یہ مقام حاصل نہیں تو کیوں؟ کیا آپ اللہ کے محبوب نہیں ہیں، یا اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ السلام سے اس انعام کی نفی فرمادی ہے، اگر نفی ہے تو کہاں ہے؟؟۔

نیز بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ جب نمازی تشہد میں **السلام علینا و علی عباد اللّٰه الصالحین** کہتا ہے تو اس کا یہ سلام زمین و آسمان میں تمام صالح بندوں کو پہنچتا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

إِذَا قَالَ ذَالِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْأَرْضِ

تو کیا امّتی کا سلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پہنچنا اللہ تعالیٰ نے منع

کر رکھا ہے تو منع کہاں ہے؟ یا کیا رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ عبد صالح نہیں ہیں، یا آپ زمین و آسمان میں نہیں ہیں۔

نیز بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ نمازِ کسوف میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کچھ آگے بڑھے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، نماز کے بعد صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ!

رَأَيْنَـاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ

فَقَالَ: إِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عَنْهَا عُنْقُوْدًا (الحديث)

یعنی، حضور نے فرمایا میں نے جنت دیکھی اور اس سے میں نے ایک انگور کا گچھا پکڑا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ دنیا کے مکان و زمان اور جسمانی پابندیوں میں رہتے ہوئے بھی آخرت کو ملاحظہ فرماتے ہیں، تو کیا وصال شریف کے بعد آخرت میں رہتے ہوئے جہاں زمان و مکان اور جسمانی پابندی ہی نہیں اور نہ ہی وہاں قرب و بُعد ہے تو دنیا اور دنیاوی امور کو ملاحظہ کرنے میں کیا مانع ہے؟ یعنی ادنیٰ حال میں اعلیٰ و ابعد کا ملاحظہ ہو سکتا ہے تو اعلیٰ حال میں ادنیٰ و اقرب کا ملاحظہ کیوں نہیں؟

نیز صحاح ستہ کی حدیث ہے:

إِنَّ اللّٰـهَ قَدْ زَوٰى لِيَ الْاَرْضَ كُلَّهَا فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا

یعنی، اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے، تو میں نے تمام روئے زمین کو ملاحظہ کر لیا ہے۔

جب زندگی میں پورے رُوئے زمین آپ کے پیش نظر ہو سکتی ہے تو آخرت میں منتقل ہونے پر کیا قرب و بُعد وہاں بھی ہے۔

غرضیکہ یہ سب احادیث بخاری و مسلم و صحاح ستہ بلکہ متفق علیہ احادیث ہیں، مگر وہ لوگ نہیں مانتے اور نہ مانیں گے، اگر ان احادیث کو مانتے ہیں تو اُمت کے اعمال کا

ملاحظہ یا اعمال کا آپ کے حضور پیشی سے کیوں انکار ہے۔

اس اہم کتاب کا ترجمہ فاضل عزیز مولانا رسول بخش سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بڑی محنت سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف علیہ الرحمہ اور مترجم کو تمام مسلمانوں کی جانب سے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرائے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کی پاسداری کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے دربار میں مسلمانوں اور ان کے اعمال کی پیشی کو ثابت رکھتے میں سعی مشکور کی، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس سعی جمیلہ کو مشکور و مقبول فرمائے گا، و صلّى الله تعالى على حبيبه و اله و بارك و سلّم

محمد عبد القیوم ہزاروی

حالاتِ مترجم

ازمولانا فضل حنان سعیدی استاذ جامعہ اسلامیہ لاہور

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس کتاب کے مترجم علامہ رسول بخش سعیدی ہیں آپ موضع باقر شاہ شمالی تحصیل علی پور مظفر گڑھ میں ایک زمیندار گھرانہ کے چشم و چراغ ہیں، انہوں نے قریبی شہر علی پور میں سکول کی مروجہ تعلیم کے بعد دینی ادارے مدرسہ فاروقیہ فریدیہ میں قرآن کریم حفظ کیا اور درس نظامی کے وسطانی نصاب کو مولانا نیاز احمد اور مولانا خادم حسین سے وہیں مکمل کیا، اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے درجہ عالیہ میں داخل ہوئے اور اس نصاب کی تکمیل پر ۱۹۸۲ء میں جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے ، اور ساتھ ہی انہوں نے تنظیم المدارس اہلسنّت پاکستان کے فوقانی امتحان میں قابلِ فخر پوزیشن حاصل کر کے الشہادۃ العالیہ فی العلوم العربیہ و الاسلامیہ کی ڈگری حاصل کی جس کو حکومت پاکستان نے ایم اے عربی و اسلامیات قرار دیا ہے اور پاکستان بھر کی یونیورسٹیز نے اس سند کی مذکورہ حیثیت (ڈبل ایم اے) کو تسلیم کر رکھا ہے، مولانا رسول بخش سعیدی نے جامعۃ الازہر مصر کے شیوخ سے الادب العربی میں تخصص کے شوق میں اسلامی یونیورسٹی فیصل مسجد اسلام آباد میں داخلہ لیا، وہاں چار سال میں یہ تخصص کیا، اس دوران مصری شیوخ سے مولانا نے درسِ نظامی کی جامعیت اور اس سے حاصل شدہ استعداد کا لوہا منوایا، جس کی وجہ سے مولانا کو ان شیوخ کے ہاں خاص تقرب رہا۔

علمی خدمات: حصول علم کے بعد مولانا سعیدی صاحب جامعہ غوثیہ گلبرگ اور جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور میں تین سال صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے، اس کے بعد حضرت سلطان باہو ٹرسٹ کے چیئرمین حضرت صاحبزادہ سلطان نیاز الحسن قادری کی دعوت پر مرکزی ادارہ جامعہ اسلامیہ برمنگھم (انگلینڈ) میں تدریسی فرائض

سرانجام دے رہے ہیں، چنانچہ وہاں پورے انگلینڈ میں مولانا ایک محنتی، جامع، اور قابل ترین استاذ کی حیثیت سے متعارف ہیں، ان کی وجہ سے علماء وطلباء کا ادارہ ہجوم ہے، یونیورسٹی اور کالجز کے طلباء وسکالر حضرات بھی ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔

ان کی وہاں کارکردگی کے بارے میں اتنی سند ہی کافی ہے کہ پچھلے دنوں مخدوم من قبلہ استاذی المکرّم حضرت العلامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ (اب☆ رحمۃ اللہ علیہ) انگلینڈ کے دورے سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے جامعہ اسلامیہ برمنگھم کی کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت سلطان نیاز الحسن قادری اور مولانا رسول بخش سعیدی کی خدمات کو بہت سراہا۔

غیر ملکی مطالعتی دورہ: مولانا کی انگلینڈ میں شہرت کی بنا پر قریبی یورپی ممالک فرانس، جرمنی، ڈنمارک وغیرہ سے آئے ہوئے مسلمان طلباء کی دعوت پر ۱۹۹۴ء میں ان ممالک کا دورہ کیا اور اس کے بعد جامعہ ازہر مصر میں اپنے اساتذہ شیوخ، ڈاکٹر جناب علی عشری وغیرہ سے ملنے اور جامعہ ازہر کی زیارت کے لئے گئے تو وہاں نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور اعزازیہ دیا۔

اللہ تعالیٰ مترجم کو بھی دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کریں جنہوں نے بڑی محنت سے بہت ہی خوبصورت ترجمہ کیا ہے، اس ترجمہ کا یہ امتیاز ہے کہ اس پر عالمِ اسلامی کی عظیم علمی شخصیت استاذ العلماء حضرت العلامہ مفتی محمد عبدالقیوم مدظلہ (رحمہ اللہ) کی تقریظ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے توسل سے اسے ہم سب کے لئے نافع بنائے۔

☆ محسنِ اہلسنّت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ دو سال قبل وصال فرما گئے ہیں، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حدیث شریف

عَنْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ:

"حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَ یُحَدَّثُ لَکُمْ وَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَمَا رَأَیْتُ مِنْ خَیْرٍ حَمِدْتُّ اللّٰهَ وَ مَا رَأَیْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَکُمْ"

ترجمہ: میری ظاہری حیات تمہارے لئے سراپا خیر ہے، تمہیں کوئی معاملہ پیش آ جاتا ہے تو اس کے لئے حکم آ جاتا ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لے سراپا خیر ہے (کیونکہ) تمہارے اعمال میری بارگاہ میں پیش کئے جاتے رہیں گے، جب اچھے کام دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا اور جب بُرے اعمال دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ ربّ العزت سے مغفرت و بخشش مانگوں گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین، و الصّلوٰۃ و السّلام علی اشرف المرسلین
سیّدنا محمّد و علیٰ آلہٖ الأکرمین و رضی عن صحابتہ الطاھرین

حمد و صلوٰۃ کے بعد یہ رسالہ میں نے حدیث (حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ) کی صحت کے بیان میں تحریر کیا ہے، دراصل میں نے کئی لوگوں کے درمیان اختلاف و نزاع کی صورت دیکھی کہ وہ علم و فہم اور کسی بنیادی اصول کے بغیر اس حدیث کے بارے میں بحث و تمحیص میں لگے ہوئے ہیں، بعض جاہل اور بے خبر لوگوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ یہ مَن گھڑت حدیث ہے جس کا کُتبِ حدیث میں سرے سے وجود ہی نہیں، اور یہ صحیح، قوی احادیث کے خلاف ہے، اور وہ یہاں تک گر گئے کہ جو شخص بھی اس حدیث کا اپنے کسی رسالہ یا کتاب میں ذکر کرتا ہے تو وہ اسے شدّت کے ساتھ طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہے، لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ اس رسالہ میں ان کے ان دعوؤں اور قیل و قال کی غلطی کو واضح کروں اور ان خطرات کو مُنکشِف کروں جو ان سے پیدا ہوتے ہیں، میری اس گفتگو کی بنیاد محدّثین کرام کے قاعدے و ضابطے و متفقہ اُصول اور جمہور اہلِ نقل و عقل کے راجح اقوال ہیں، اور اس کا نام "نھایة الآمال فی صحة حدیث عرض الأعمال" رکھا اور اسے رسالتمآب ﷺ کی بارگاہ میں تحفہ کے طور پر پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنی شفاعت میں مجھے شامل فرمائیں گے، جہاں شفاعت کے لئے آپ ﷺ کے سوا کوئی بھی نہ بڑھ سکے گا، حتیٰ کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام بھی پیچھے رہ جائیں گے، اللہ ربّ العزت ہی سے سوال ہے کہ میری اس آرزو کو بر لائے اور میری دعا قبول فرمائے، وہی قریب ہے، وہی دعا قبول فرمانے والا ہے، اس کے سوا کوئی ربّ نہیں، اس کے سوا کسی سے بھلائی نہیں۔

﴿باب اول﴾

حدیث مذکور کے واسطوں اور اس کی صحت کا بیان

حافظ کبیر ابو بکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بصری المعروف محدّث بزار متوفی بالرملة ۲۹۲ھ نے اپنی مشہور مسند میں لکھا ہے کہ ہمیں حدیث سنائی یوسف بن موسیٰ نے، انہوں نے کہا کہ ہمیں عبدالمجید بن عبدالعزیز ادبی رواد نے سفیان کے واسطہ سے بیان کی، انہیں عبداللہ بن سائب نے زاذان کے واسطہ سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> اللہ ربّ العزت کے سیاح فرشتے ہیں جو میری اُمّت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

> میری ظاہری حیات تمہارے لئے خیر ہے تم کوئی کام کرتے ہو تو تمہارے لئے کوئی حکم آ جاتا ہے اور میرا اس دنیا سے چلا جانا بھی تمہارے لئے خیر ہے کہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو اچھے کام دیکھتا ہوں ان پر ربّ العزت کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور جو بُرے اعمال دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔

بزار نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سند کے علاوہ کسی اور واسطہ سے بھی یہ روایت مروی ہو اور حافظ زین الدین عراقی نے اپنی

تصنیف ''طرح التقریب فی شرح التقریب''(۱) کے ''کتاب الجنائز'' میں فرمایا کہ اس کی سند عمدہ ہے۔

اور حافظ نورالدین نے ''مجمع الزوائد'' میں فرمایا کہ اس حدیث کے راوی ''صحیح'' والے راوی ہیں، اور اسی طرح علامہ قسطلانی نے ''شرح بخاری'' اور حافظ علامہ جلال الدین السیوطی نے ''خصائص کبریٰ'' میں فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہی کلمات ملا علی قاری اور امام شہاب خفاجی نے قاضی عیاض کی ''شفاء شریف'' کی شروحات میں کہے ہیں، جو کچھ ان تمام حضرات نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا بالکل صحیح ہے، اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیونکہ اس کے تمام راوی صحیح کی شرط پر ثقہ ہیں۔

باقی ابن ابی رواد کی طرف مرجئہ وغیرہ ہونے کی جو نسبت کی گئی ہے وہ اس کے بعد مضر نہیں کہ اُن سے بڑے بڑے ائمہ حضرات مثلِ امام شافعی، امام احمد، امام ابن معین نے روایت کیا ہے اور امام احمد، امام ابن معین، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے ان کے ثقہ ہونے کی تصریح کی ہے، امام مسلم اور ائمہ اربعہ نے اس شخص کے ساتھ احتجاج کیا ہے، (یعنی دلیل پکڑی ہے) اس کے بعد اسے کمزور قرار دینے والوں کی بات قابلِ اعتبار نہیں، خصوصاً ابن حبان جو جرح میں بہت ہی مبالغہ سے کام لیتے ہیں، امام ذھبی نے

۱۔ یہ کتاب شیخ عراقی کی آخری عُقب میں سے ہے بلکہ اس کی تکمیل سے قبل ہی ان کی وفات ہو گئی تو ان کے فرزند ارجمند حافظ ولی الدین ابو زرعہ العراقی نے اس کی تکمیل کی، ان کی یہ بات ''احادیث الاحیاء'' والی بات کے خلاف جاتی ہے جو انہوں نے اوائل عمر میں تصنیف کی تھی جب کہ آپ کی عمر شریف صرف بیس سال تھی، اس وقت نہ تو آپ میں ذہنی پختگی تھی نہ یادداشت کی وسعت اور نہ قواعد حدیث کا اتنا تجربہ جو بعد کی کتابوں سے موازنے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ یہاں وسعتِ علمی، کمال کا حافظہ، فن کے اصول و قواعد کا کامل تجربہ جو آپ کو علمِ حدیث میں رُتبہ اجتہاد کو پہنچا دیتا ہے، مثال کے طور پر انہوں نے ''احادیث الاحیاء'' کی تخریج میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث ''أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَان'' کو صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ایسی ضعیف حدیث کو صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔

"میزان" میں افلح بن سعید المدنی کے حالاتِ زندگی کے ضمن میں لکھا ہے کہ ابن حبان ثقہ حضرات کی جرح میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ بسا اوقات انہیں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور ایوب بن عبد السلام کے ترجمہ کے ضمن میں کہا کہ ابن حبان سخت گو اور مجادل ہے، چنانچہ حدیث مذکور اس سند کے اعتبار سے امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے اور اس روایت کی اور بھی سندیں ہیں جس کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

حدیث مذکور کی دیگر اسناد

(۱)......حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند اور ابن عدی نے "کامل" میں خراش (راوی) کے واسطہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> میری ظاہری حیات تمہارے لئے خیر ہے تم جو کچھ کہتے ہو، کوئی کام کرتے ہو، تو اس کا حکم تمہیں بتا دیا جاتا ہے، جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو میرا وصال بھی تمہارے لئے خیر ہوگا، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے اگر میں بہتر عمل دیکھوں گا تو اس پر اللہ ربّ العزت کی حمد وثنا بیان کروں گا، اور اگر اچھا عمل نہ دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ ربّ العزت سے مغفرت طلب کروں گا۔

حافظ عراقی نے "المغنی" میں کہا ہے کہ اس کی سند (کے راوی) خراش کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کمزور ہے۔

(۲)......حافظ ابو نصر حسن بن محمد بن ابراہیم یونارتی متوفی ۵۲۸ھ نے اپنی "معجم" (جو کئی اجزاء پر مشتمل ہے) میں کہا ہے کہ میں نے الشریف واضح بن ابی تمام الزینبی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابو علی بن تومہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیخ ابو حفص

بن شاہین کے ہاں مسافروں کی ایک جماعت جمع ہوئی اور درخواست کی کہ آپ کے پاس جو اعلیٰ درجہ کی (TOP CLASS) حدیث ہے ہمیں سنائیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس جو اعلیٰ قسم کی احادیث ہیں ان میں سے تمہیں ایک حدیث سناتا ہوں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن محمد بغوی نے حدیث بیان کی اور انہیں شیبان بن فروخ اُبلی نے حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں نافع ابو ہرمز سجستانی نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ مَمَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ

ابن نجار نے "تاریخ بغداد" میں معمر بن محمد اصفہانی سے اسے روایت کیا ہے جنہوں نے ابو نصر یونارتی سے اسے روایت کیا، اور یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ تمام کا اتفاق ہے کہ ابو ہرمز ضعیف ہے۔

(۳)......حارث بن اسامہ تمیمی متوفی ۲۸۲ھ نے اپنی مشہور "مسند" میں اسے روایت کیا کہ ہمیں حسن بن قتیبہ نے کہا کہ جسر بن فرقد نے بکر بن عبد اللہ مزنی کے واسطہ سے ہمیں حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَ یُحْدَثُ لَکُمْ وَ وَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَمَا کَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ وَ مَا کَانَ مِنْ سَیِّئٍ اِسْتَغْفَرْتُ اللّٰہَ لَکُمْ

اس کی سند ضعیف ہے، اسی حدیث کو ایک اور واسطہ سے بھی روایت کیا گیا ہے، امام اسماعیل بن اسحاق قاضی مالکی متوفی ۲۸۲ھ نے اپنی کتاب "**فضل الصلوٰۃ علی النبی** ﷺ" میں کہا کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان فرمائی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید جو اسماعیل قاضی کے دادا ہیں نے غالب قطان کے واسطہ سے حدیث بیان کی اور انہوں نے بکر بن عبد اللہ مزنی سے مرفوعاً اس حدیث کو روایت کیا اور حدیث

کے الفاظ یہ ہیں:

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَ یُحَدَّثُ لَکُمْ فَإِذَا أَنَا مِتُّ
کَانَتْ وَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَإِنْ رَأَیْتُ
خَیْراً حَمِدْتُّ اللّٰہَ وَ إِنْ رَأَیْتُ غَیْرَ ذَالِکَ اسْتَغْفَرْتُ
اللّٰہَ لَکُمْ

اور حافظ محمد بن عبدالہادی المقدسی نے اپنی کتاب ''الصارم المنکی'' میں کہا کہ حضرت امام بکر مزنی تک یہ اسناد صحیح ہے اور بکر تابعین میں ثقہ اور ان کے امام ہیں، میں کہتا ہوں کہ ائمہ ستہ نے ان کو حجت مانا ہے اور وہ ان کی بزرگی اور امامت پر متفق ہیں، ایک اور واسطہ سے اسماعیل قاضی نے اپنی مذکورہ کتاب میں فرمایا کہ ہمیں حجاج بن منہال نے حدیث بیان کی، اور انہیں حماد بن سلمہ نے کثیر ابی الفضل کے واسطہ سے حدیث بیان کی اور وہ بکر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُحَدِّثُوْنَ فَیُحَدَّثُ لَکُمْ فَإِذَا أَنَا مِتُّ
کَانَتْ عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَإِنْ رَأَیْتُ خَیْراً حَمِدْتُّ
اللّٰہَ وَ إِنْ رَأَیْتُ شَرًّا اسْتَغْفَرْتُ اللّٰہَ لَکُمْ

اور یہ اسناد بھی صحیح ہے، اس کے راوی کثیر ابوالفضل کے علاوہ تمام صحیح کے شرائط پر پورے اترے ہیں، کثیر ابوالفضل کے بارے میں ابن قطان سلجلماسی نے کہا کہ اس کا حال معروف نہیں ہے، لیکن حافظ (ابن حجر) نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا یہ معروف ہیں، ان کا ذکر امام بخاری نے ''التاریخ'' میں کیا ہے اور کہا کہ سعید بن عامر نے ان کی اچھے الفاظ میں تعریف فرمائی ہے، اور ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، حافظ کہتے ہیں کہ ابن قطان امام بخاری کی اس گفتگو سے بے خبر رہے۔ ان کا پورا نام کثیر بن یسار بصری طفاوی ہے اور ''الصارم المنکی'' کے (ص ۱۷۸) پر کثیر بن الفضل تحریر ہے جو تحریف ہے، بہر حال جیسا کہ ہم نے کہا یہ سند صحیح ہے، امام سیوطی نے ''جامع صغیر'' میں

بھی ابن سعد کی ''الطبقات'' سے بکر مزنی کے واسطہ سے روایت کرتے ہوئے اس کی تخریج فرمائی ہے اور اس کے شارح امام مناوی کہتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس ہماری تمام گفتگو اور تحقیق کا دارومدار الفاظِ حدیث اور سندِ حدیث پر ہے، ہماری اس تفصیل تحقیق سے یہ بات بخوبی واضح ہوچکی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اس کے باوجود اسے کمزور اور جھوٹی حدیث قرار دینا پرلے درجے کی قبیح جرأت ہے کسی مسلمان سے اس کے صادر ہونے کی توقع نہیں، خاص طور پر جب وہ اس آیت کریمہ کے معنی سے آگاہی بھی رکھتا ہو:

مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ (۲)

ترجمہ: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

﴿فصل﴾

مذکورہ حدیث کے تائیدی شواہد

اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں جو اس کے معنی کی تائید اور اس کی بنیاد کو قوت دیتے ہیں جس سے یہ حدیث صحت وقبول کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ جاتی ہے، میں اللہ ربّ العزت کی مدد ونصرت سے چند ایک کا ذکر کر رہا ہوں لیکن سب سے پہلے وہ حدیث جو الفاظ ومعنی میں اس کے قریب تر ہے۔

امام ابونعیم نے ''حلیہ'' میں کہا کہ ہمیں عبداللہ بن محمد بن جعفر'' جو حافظ ابوالشیخ ابن حیان کے نام سے مشہور ہیں'' نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ان کو احمد بن عیسیٰ بن ہامان الرازی نے ان کو محمد بن مصفی نے ان کو بقیہ نے اور ان کو عباد بن کثیر نے عمران کے

۲۔ ق:۱۸

واسطہ سے حدیث بیان کی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَعْمَالَ أُمَّتِي تُعْرَضُ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ وَ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلَى الزُّنَاةِ

میری امت کے اعمال ہر جمعہ کے دن مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور زانیوں پر اللہ کا غضب شدید تر ہوتا ہے۔

اور حکیم ترمذی نے ''نوادرالاصول'' میں عبدالغفور بن عبدالعزیز بن سعید الشامی کے واسطہ سے روایت کیا اور وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا جو صحابی رسول تھے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَ الْخَمِيْسِ عَلَى اللّٰهِ وَ تُعْرَضُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَ عَلَى الْآبَاءِ وَ الْأُمَّهَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيَفْرَحُوْنَ بِحَسَنَاتِهِمْ وَ تَزْدَادُ وُجُوْهُهُمْ بَيَاضاً وَ إِشْرَاقاً فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُؤْذُوْا مَوْتَاكُمْ

ہر پیر اور جمعرات کے دن تمہارے اعمال اللہ ربّ العزت کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء اور والدین کے حضور ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں، وہ نیکیاں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ان کے چہروں کی بشاشت اور رونق مزید بڑھ جاتی ہے، تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو ایذا نہ دو۔

یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں لیکن شواہد کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ حافظ منذری نے ''الترغیب والترہیب'' کے متعدد مقامات پر اور حافظ ابن القیم الجوزی نے ''جلاء الافہام'' میں اس کی نشاندہی کی ہے، بلکہ اصولِ حدیث کا یہ مسلّمہ ضابطہ ہے۔

قرآن بھی یہی کہتا ہے

قرآن کریم بھی حدیث مذکور کے موافق ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا (۳)

ترجمہ: وہ کیسا وقت ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں اُن سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ ربّ العزت نے خبر دی ہے کہ رسول اکرم ﷺ قیامت کے دن اپنی اُمت پر گواہ بن کر تشریف لائیں گے، یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ اُمت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جائیں تاکہ جو آپ نے دیکھا اور جانا اس پر گواہی دیں۔

حضرت ابن المبارک نے فرمایا کہ منہال بن عمرو کے واسطہ سے انصار میں سے ایک آدمی نے ہمیں بتایا کہ اس نے سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: صبح و شام رسالتمآب ﷺ کے حضور آپ کی اُمت پیش کی جاتی ہے، آپ اُن کو ان کے نام اور اعمال کے ساتھ جانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں گواہی دیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا

علامہ قرطبی نے ''التذکرہ'' میں (باب ما جاء في شهادة النبي ﷺ على أمته) حضور کی اُمت پر گواہی کے بیان پر باب قائم کیا، پھر انہوں نے حضرت سعید بن المسیب کے مذکورہ قول کا ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد لکھا یہ بات گزر چکی ہے کہ اعمالِ انسانی ہر پیر اور جمعرات کو اللہ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء و والدین کے حضور ہر جمعہ کے دن پیش کئے جاتے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی

۳۔ النساء: ۴/۴۱

تعارض نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کی خصوصیت کے پیشِ نظر ہر روز آپ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں بھی پیش کئے جاتے ہیں، اور ''طبرانی'' نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (۴)

تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ یمن جائیں اور نصیحت فرمائی: تم جاؤ اور لوگوں کو خوشخبری سناؤ، انہیں متنفر نہ کرو، ان کے آسانیاں پیدا کرو، تنگی نہ کرو کیونکہ مجھ پر نازل ہو چکا ہے:

یاایها النبیّ انا أرسلناک للناس شاهدًا وّ مبشرًا (بالجنة) و نذیراً من النار و داعیاً الی شهادة أن لآ إله الاَّ الله باذنه و سراجاً منیراً

یعنی، اے نبی ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے گواہ و نگہبان، جنّت کی خوشخبری دینے والا، جہنّم کی آگ سے ڈرانے والا، لا الٰہ الّا اللہ کی شہادت کی طرف بلانے والا اور روشنی کرنے والا سورج بنا کر بھیجا۔

ابن کثیر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ''شَاهِدًا'' یعنی، اللہ ربّ العزت کی وحدانیت کی گواہی دینی کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور قیامت کے دن لوگوں پر ان کے اعمال کی گواہی دینا ''وَ جِئْنَا بِكَ هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا'' اور آپ کو ان تمام پر گواہ بنایا جائے گا جیسا کہ اور مقام پر فرمایا ''لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا'' تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

سوال: پس اگر یہ کہا جائے کہ اللہ ربّ العزت نے اس اُمّت کے بارے میں

۴۔ الاحزاب:۳۳/۴۵

خبر دی ہے کہ دوسری اُمّتوں پر گواہی دے گی جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (۵)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تمہیں اُمّت وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

اور جب کہ یہ کسی نے نہیں کیا کہ دوسری اُمّتوں کے اعمال اس اُمّت پر بھی پیش کئے جاتے ہیں، تو جواب کی دو صورتیں ہیں:

(۱)......عرضِ اعمال کے بارے میں رسالتمآب ﷺ کو اسی طرح تخصیص حاصل ہے جیسے آپ کی تخصیص قبر میں حیات کے بارے میں ہے کہ آپ کی حیات، قبر میں شہدا کی حیات سے بھی اکمل ہے اور جیسا کہ شفاعت کے سلسلہ میں جس طرح آپ کو شفاعت کی اجازت ہوگی کسی اور کو نہ ہوگی۔

(۲)......حدیث صحیح میں ہے کہ یہ اُمّت قرآن کریم کے علم اور رسول اکرم ﷺ کی خبر کی بنیاد پر گواہی دے گی کیونکہ جب یہ اُمّت گواہی دے گی کہ سابقہ رسولوں نے اپنی اُمّتوں کو تبلیغ کی تھی تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس نے بتایا؟ تو وہ کہیں گے کہ ہماری نبی کریم ﷺ نے ہمیں بتایا تو ہم اس پر ایمان لائے اور تصدیق کی تو رسول اکرم ﷺ ان کا تزکیہ اور ان کی بات کی تصدیق فرمائیں گے، یہ بالکل واضح ہے جس میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔

سوال: اور اگر یہ کہا جائے کہ طبرانی نے محمد بن فضالہ سے روایت کیا ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے ایک قاری کو پڑھنے کا حکم دیا جب وہ یہاں پہنچا ''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ'' الآیہ، تو آپ رو پڑے اور اور کہا ''اے میرے ربّ جو میرے سامنے ہیں ان کے بارے میں تو میں نے گواہی دی لیکن جن کو میں دیکھا تک نہیں ان

۵۔ البقرۃ:۲/۱۴۳

کے بارے میں کیسی گواہی'' اس سے بعض ناسمجھوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نے عرضِ اعمال کی نفی فرمائی ہے۔

یہ حدیث عرضِ اعمال کے منافی نہیں

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث عرضِ اعمال والی حدیث کے منافی نہیں بلکہ اس کی تائید کرتی ہیں، یہ ان کے اسباب میں سے ایک ہے جن کے واسطے سے اللہ ربّ العزت نے اپنی نبی کریم ﷺ کو اس خصوصیت کا اعزاز بخشا کہ آپ ﷺ کی اپنی اُمّت پر گواہی مشاہدہ سے ہو جیسا کہ اللہ ربّ العزت نے اپنے نبی کو یہ اعزاز بخشا کہ آپ کی اُمّت کو دوسری اُمتوں کے ساتھ آپ پر پیش کیا جائے جب کہ آپ مدینہ منورہ میں تھے، یہ بات صحیحین میں ثابت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (ج۹ ص ۷۸،۷۹، طبعۃ الخشاب) میں لکھا ان کے الفاظ یہ ہیں:

اور محمد بن فضالۃ الظفری کی روایت میں ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ بنی ظفر میں تھے، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے یونس بن محمد بن فضالۃ کے واسطہ سے ذکر کیا اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قبیلہ بنی ظفر میں تشریف لائے، آپ کے ساتھ ابن مسعود اور کچھ دیگر صحابہ بھی تھے، آپ ﷺ نے کسی قاری کو پڑھنے کا حکم دیا جب وہ اس آیت پر پہنچے:

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ هٰؤُلَآءِ شَهِیْدًا (۶)

تو آپ رو دیئے اور رونے کے آثار آپ کی داڑھی مبارک اور چہرہ انور پر نمایاں تھے اور فرمایا:

اے میرے ربّ! یہ ان کے بارے تو ممکن ہے جن میں مَیں موجود

۶۔ النساء ۴/۴۱

ہوں لیکن جن کو میں نے نہیں دیکھا ان کے بارے میں کیسے گواہی دوں گا؟۔

ابن مبارک نے ''الزھد'' میں سعید بن المسیّب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر روز صبح و شام آپ پر ﷺ پر آپ کی اُمّت پیش کی جاتی ہے آپ انہیں چہروں اور اعمال کے ساتھ پہچانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ان پر گواہی دیں گے۔ بہر حال ابن فضالہ کی حدیث سے جو اشکال پیدا ہوا تھا، اس مُرسَل حدیث نے اسے دور کر دیا، واللہ اعلم

خلاصۂ اشکال یہ تھا کہ آپ ﷺ آئندہ آنے والوں کے بارے میں کیسے گواہی دیں گے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، تو ان کے بارے میں آپ کی شہادت عینی شہادت ہوگی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے سعید بن المسیب کے اثر کو مُرسَل قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس میں کسی رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں، جب معاملہ یہ ہو تو ایسی بات مرفوع (قولِ نبی) کے حکم میں ہوتی ہے، اسی وجہ سے ابن حجر نے اسے مرسل کہا ہے۔ اور سعید بن المسیّب کی مرسل احادیث اتنی اصح اور اقویٰ ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی انہیں قبول کرتے ہیں حالانکہ وہ تابعین کے مراسیل کو قبول نہیں کیا کرتے۔

حدیثِ حوض، حدیثِ عرضِ اعمال کی مؤید ہے

حدیثِ حوض، عرضِ اعمال والی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ محدّث ابو یعلی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ان لوگوں کو کیا ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا تعلق آپ کی قوم کو فائدہ نہ دے گا؟ ہاں ربّ ذوالجلال کی قسم میرا تعلق دنیا و

> آخرت میں قائم ہے، اے لوگو! حوضِ کوثر پر میں تمہارا استقبال کروں گا، جب تم آؤ گے تو ایک آدمی کہے گا اے اللہ کے رسول! میں فلاں بن فلاں ہوں اور دوسرا کہے گا میں فلاں بن فلاں ہوں، تو میں کہوں گا نسب تو میں پہچانتا ہوں لیکن تم نے میرے بعد یہ بدعات گھڑ لیں اور راہِ راست سے ہٹ گئے۔

حافظ حدیث ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل کے علاوہ سب صحیح کے ہیں اور انہیں بھی ثقہ قرار دیا گیا، میں کہتا ہوں یہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ حافظ ہیثمی نے ''مجمع الزوائد'' کے کئی مقامات پر اس کی تصریح کی ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ''وَلٰکِنَّکُمْ اَحْدَثْتُمْ بَعْدِی'' دلیل ہے اس بات کی کہ امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں ورنہ آپ ان سے یہ نہ فرماتے۔

رشتہ داروں پر اعمال کی پیشگی اور مذکورہ حدیث

رشتہ داروں پر اعمال پیش ہونے والی حدیث بھی حدیثِ عرضِ اعمال کی تائید کرتی ہے ''کتاب المنامات'' کے شروع میں محدث ابن ابی الدنیا نے کہا ہے کہ ہمیں عبداللہ بن شبیب نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو بکر بن شیبۃ الحزامی نے انہیں ملیح بن اسماعیل نے انہیں محمد بن جعفر بن ابی کثیر نے زید بن اسلم کے واسطہ سے مجھے حدیث بیان کی اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے اپنے مُردوں کو شرمندہ مت کرو کیونکہ قبروں میں مدفون تمہارے اعمال تمہارے عزیز و اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر اچھے اعمال ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر ایسے نہ ہوں تو وہ کہتے ہیں: اے اللہ! انہیں موت نہ دے جب تک کہ وہ ہدایت پر نہ آ جائیں جیسا کہ تو نے ہمیں ہدایت دی۔

ابوداؤد الطیالسی نے فرمایا ہے کہ ہمیں حضرت حسن کے واسطہ سے صلت بن دینار

نے حدیث بیان کی جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

> تمہارے اعمال تمہارے عزیز و اقارب کے ہاں قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں، اگر عمل اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں ورنہ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! انہیں توفیق دے کہ وہ تیری اطاعت و فرمانبرداری میں عمل کریں۔

یحییٰ بن صالح ابو حاظی کہتے ہیں کہ ہمیں ابو اسماعیل السکونی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن اُدی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

> دنیا جا چکی صرف مکھیوں کی طرح باقی ہے جو اپنی فضا میں گھوم رہی ہو (شہد کی مکھیوں کی طرح باقی ہے جو اپنے چھتے میں جوش مار رہی ہوں) اللہ سے ڈرو اپنے بھائیوں کے بارے میں جو قبروں میں ہیں، کیونکہ تمہارے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔

یہ تمام احادیث مبارکہ اگرچہ ضعیف ہیں لیکن صحابہ و تابعین کرام کے آثار انہیں مضبوط کر دیتے ہیں اور تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی بنیاد ہے، عبداللہ بن مبارک نے فرمایا ابو رہم کے واسطہ سے مجھے ثور بن یزید نے حدیث بیان کی اور وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

> تمہارے اعمال (تمہارے) مُردوں پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر عمل اچھے ہوں تو انہیں فرحت و بشاشت نصیب ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں اے اللہ! یہ تیرے بندے پر تیری نعمت ہے تو ہی اس کو پورا کر دے اور اگر عمل اچھے نہ ہوں تو دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ!

اسے اس سے رجوع کی توفیق عطا فرما۔

حضرت ابن مبارک نے بھی یہی کہا کہ عبد الرحمٰن بن جبیر بن نصیر کے واسطہ سے صفوان بن عمرو بن مجھے حدیث بیان کی کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تمہارے اعمال تمہارے مُردوں پر پیش کئے جاتے ہیں، وہ خوش ہوتے ہیں اور رنجیدہ بھی ہوتے ہیں، اور حضرت ابو الدرداء یہ بیان کرنے کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! ایسے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو مجھے عبد اللہ بن رواحہ کے ہاں شرمندہ ورسوا کرے۔

اور محدّث ابن ابی الدنیا نے بلال بن ابی الدرداء سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں مَیں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے سنا وہ سجدہ کی حالت میں کہہ رہے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میرے ماموں ابن رواحہ ملاقات کے وقت مجھے ناپسند کریں۔

احمد بن ابی حواری نے کہا ہے کہ مجھے میرے بھائی ''محمد'' نے بتایا کہ عباد بن عباد، ابراہیم بن صالح کے پاس آئے جب وہ فلسطین کے گورنر تھے، حضرت ابراہیم نے درخواست کی مجھے آپ نصیحت فرمائیں، تو انہوں نے کہا اللہ ربّ العزت آپ کی اصلاح کرے آپ کو کیا نصیحت کروں؟ میرے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے مُردہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں، تم فکر کرو، اللہ کے رسول ﷺ کے حضور تمہارے کون سے عمل پیش ہوں گے تو ابراہیم رو پڑے، یہاں تک کہ ان کے آنسو ان کی داڑھی پر بہنے لگے۔ (اسے ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں روایت کیا ہے)

اور ابن مبارک نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا مردوں کے پاس زندوں کی خبریں بھی آتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جو بھی کسی کا قریب رشتہ دار ہے، اس کے پاس اس کے عزیزوں کی خبریں آتی ہیں،

اگر اچھی خبر ہو تو اس سے خوش ہوتا ہے اور اگر بُری خبر ہو تو اس پر مایوس وغمگین ہوتا ہے۔

ابن قیم جوزی نے ''کتاب الروح'' میں کہا ہے کہ حضرت عمرو بن دینار سے صحیح روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جو بھی مرجائے اپنے پسماندگان کو وہ ضرور جانتا ہے، وہ اسے غسل وکفن دے رہے ہوتے ہیں، اور وہ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور حضرت مجاہد سے صحیح روایت ہے کہ آدمی اپنی اولاد کے اچھے اعمال کی وجہ سے قبر میں خوش ہوتا ہے اور یہ بھی کہا کہ اس باب میں صحابہ کرام سے بہت سارے آثار منقول ہیں۔

عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے عزیز واقارب میں سے ایک انصاری کہا کرتا تھا: اے اللہ! ایسے عمل سے جس کی وجہ سے میں عبد اللہ بن رواحہ کے ہاں رُسوا ہوں تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور آثار اس باب میں بہت ہیں، اس مقام پر ان تمام کا ذکر کرنا مقصود نہیں اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، یہ تمام آثار حدیثِ مذکورہ کے لئے باعثِ تقویت بنتے ہیں کیونکہ عزیز واقارب پر عرضِ اعمال ان مغیبات میں سے ہے جن کا ادراک عقل واجتہاد سے ناممکن ہے، اگر ان کے پاس اس بارے میں حدیثِ رسول ﷺ نہ پہنچتی تو وہ کبھی اس کا ذکر نہ کرتے، اور نہ محافلِ وعظ ونصیحت میں اس کا بیان کرتے۔ اور جب زندوں کے اعمال مُردہ رشتہ داروں پر اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ ان کے درمیان قرابت ہے جو شفقت ومحبت اور بھلائی کا تقاضا کرتی ہے تو رسالتمآب ﷺ زیادہ حقدار ہیں کہ ان پر اعمالِ اُمت پیش کئے جائیں کیونکہ آپ ﷺ کی شفقت ورحمت اُمت پر اکمل واتم ہے اور اُمّت مسلمہ کو بھلائی پہنچانے میں آپ ﷺ زیادہ حریص ہیں، اور اس بات کی دلیل قرآن کریم میں موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۷)

۷۔ التوبہ: ۹/۱۲۸

اور شیخ ابن رجب نے عرضِ اعمال الأحیاء علی الأموات (مُردوں پر زندہ کے اعمال کا پیش ہونا) کے سلسلہ میں چند احادیث و آثار کا ذکر کرنے کے بعد کہا: یہ بات ثابت ہے کہ تمام اُمّت کے اعمال کا حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہونا بمنزلۂ والد کے ہے، پھر باب کے شروع میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث مذکور کو ذکر کیا اور کچھ اس کے شواہد بھی ذکر کئے۔

نوٹ: اور یہ کتاب ''احوال القبور'' میں جو مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے موجود نہیں ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ سہواً چھوٹ گئی ہے یا جان بوجھ کر چھوڑ دیا گیا؟

درود و سلام آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایک عمل ہے

صلوٰۃ و سلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور یہ بھی منجملہ اعمال سے ہیں۔ امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم ان تمام حضرات نے اپنی کتابوں میں اور امام بیہقی نے ''حیاۃ الانبیاء'' و ''شعب الایمان'' میں، ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات نے حسین بن علی جعفی کے واسطہ سے ذکر کیا ہے کہ ہمیں عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر نے ابوالأشعث صنعانی کے واسطہ سے حدیث بیان کی اور وہ اَوس بن اَوس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

> تمہارے دنوں میں جمعہ افضل ہے اس دن آدم (علیہ السلام) کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کی روح قبض ہوئی، اور اس میں نفخہ اور صعقہ ہوں گے، تو مجھ پر کثرت سے اس دن دُرود پڑھو، کیونکہ تمہارے دُرود میری بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: آپ کی بارگاہ میں ہمارے درود

کیسے پیش ہوں گے حالانکہ آپ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

> اللہ ربّ العزت نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حاکم نے کہا کہ امام بخاری کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے اور امام ذھبی نے اسے تسلیم کیا ہے اور ابن خزیمہ، ابن حبان، حافظ عبد الغنی بن سعید اور امام نووی نے ''اذکار'' میں اور امام قرطبی نے ''التذکرہ'' میں اور حافظ ابو الخطاب بن وحیۃ وغیرہم نے بھی اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اسے اس بنیاد پر ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ عبد الرحمٰن بن یزید بن تمیم ضعیف سے مروی ہے، لیکن حسین جعفی کو اشتباہ ہو گیا اور اس نے اسے عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر جو ''ثقہ'' ہیں سے روایت کر دیا لیکن یہ علّت ضعف باطل ہے۔ حافظ امام دارقطنی نے اس بُطلان کو بالکل واضح طور پر بیان کرتے ہوئے کہا: حسین جعفی نے بالیقین عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر سے ہی حدیثِ مذکور کو روایت کیا ہے وہی صواب و صحت کے قریب تر ہے کہ جعفی نے ابن جابر سے روایت کیا ہے نہ کہ ابن تمام سے، اور جو کچھ ابن تمیم سے روایت کیا جاتا ہے اور اس کے دادا کے نام میں خطا کی جاتی ہے حالانکہ وہ ابو اسامہ ہے، جیسا کہ اکثر حضرات نے کہا ہے تو اس کی بنیاد پر جس حدیث کو حسین جعفی نے ابن جابر بن ابی الأشعث اور وہ اَوس سے روایت کرتے ہیں وہ صحیح حدیث ہے کیونکہ اس کے تمام راوی صدق، امانت، ثقاہت اور عدالت میں مشہور ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ابو حاتم بن حبان، حافظ عبد الغنی المقدسی اور ابن دحیہ وغیرہم حفاظ کی کثیر جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی نے بھی اس میں کوئی کلام نہیں کیا اور نہ واضح دلیل کے ساتھ اس کا اعلان بیان کیا۔ اس کے بعد جس نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا، اس کا تسلی بخش ردّ کیا اس کے اس مقام کا مطالعہ ضروری ہے۔

اور ابن ماجہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسالتمآب

ﷺ نے فرمایا:

> جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ یہ دن مشہور ہے جس
> میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، جب بھی کوئی مجھ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے
> لازماً وہ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان سے فارغ
> نہ ہو جائے۔

اسی طرح ابن وہب نے اپنی ''جامع'' میں روایت کیا ہے، حافظ منذری نے ''الترغیب والترہیب'' میں کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے اور اسی طرح علامہ سید سمہودی نے ''وفاء الوفاء'' میں کہا ہے، حافظ ابن حجر نے ''تہذیب التہذیب'' میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن سند کے انقطاع کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی طرح آپ کے شاگرد رشید علامہ سخاوی نے ''القول البدیع'' میں کیا، اور حافظ بوصیری نے بھی اس کی سند کے انقطاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن عبدالہادی المقدسی نے ''الصارم المنکی'' میں کہا ہے کہ اس حدیث میں اگرچہ کچھ سقم ہے لیکن یہ دوسری حدیث کے لئے شاہد اور اسے قوت دیتی ہے۔

میں کہتا ہوں انقطاع کے علاوہ اس میں کوئی اور کمزوری نہیں ہے اور اس کا معاملہ بھی قریب ہے البتہ زید بن الحسین کے مجہول ہونے کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دینے کی کوشش کرنا ناپسندیدہ ہے، کیونکہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

مذکورہ تمام حفاظِ حدیث خصوصاً علامہ منذری اور علامہ عسقلانی کا اسے صحیح قرار دینا اور مضبوط کر دیتا ہے۔

اور امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام بیہقی نے ''حیاتِ انبیاء'' میں اور ابن نفیل نے ''معروف جز'' میں عبداللہ بن نافع سے روایت کیا ہے اور وہ ابن ابی ذئب سے روایت کرتے ہیں اور وہ سعید بن ابی سعید المقبری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> اپنی گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود
> پڑھو کیونکہ تمہارے پڑھے ہوئے درود تم جہاں بھی ہو مجھ تک پہنچتے
> ہیں۔

اس کے تمام راوی ثقہ ہے، اور ابن عبدالہادی نے ''الصارم المنکی'' میں ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور امام نووی نے اسے ''الاذکار'' میں صحیح قرار دیا ہے۔

اور ابن ابی شیبہ و ابن مردویہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ وہ مجھ پر پیش کئے
> جاتے ہیں۔

اور ابو الشیخ نے ''کتاب الثواب'' میں ابو معاویہ کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور وہ امام اعمش سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا، وہ میں خود سنتا ہوں
> اور جس نے درود پڑھا مجھے بتایا جاتا ہے۔

ابن قیم نے کہا یہ روایت غریب ہے لیکن امام سخاوی نے اپنے شیخ ابن حجر سے روایت کیا ہے کہ اس کی سند جید ہے اور طبرانی نے بھی ''اوسط'' میں انہیں سے روایت کیا ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

> اَللَّيْلَةُ الزَّهْرَاء (جمعہ کی رات) اور اَلْيَوْمُ الْأَنْعَر (جمعہ کے دن)
> مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اس کی سند ضعیف ہے، لیکن امام سخاوی نے فرمایا ہے کہ شواہد کے ساتھ یہ مضبوط ہو جاتی ہے۔

اور عبد الرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے اور وہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا آپ ﷺ بہت ہی خوش ہیں، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نہیں جانتا آج سے پہلے کبھی میں نے آپ ﷺ کو خوش دیکھا ہو؟ تو آپ ﷺ فرمایا:

مجھے کیا چیز مانع ہے حالانکہ جبریل امین ابھی ابھی میرے پاس سے گئے ہیں، انہوں نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ جس انسان نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اس کے عوض اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور دس درجے اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور مجھ پر ویسے ہی درود پیش کئے جاتے ہیں جیسا کہ اس نے پڑھے تھے اور جتنی مرتبہ اس نے پکارا اتنی مرتبہ اس کو جواب دیا جاتا ہے۔

حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے ''الشعب'' اور ''حیاۃ الانبیاء'' میں ابو رافع کے واسطہ سے ذکر کے ہے اور وہ سعید مقبری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ

جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ جو بھی جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ ضرور مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اور ابو رافع اسماعیل بن رافع مدنی، جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن امام بخاری نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث شواہد اور متابعات کی صلاحیت رکھتی ہے، اور ابن مبارک نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج

نہیں ہے اور ممکن ہے کہ حاکم نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث کو صحیح قرار دیا ہو۔ (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

اور بیہقی نے حماد بن سلمہ کے واسطہ سے برد بن سنان سے روایت کیا ہے اور وہ مکحول شامی سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مجھ پر ہر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ میری امّت کے درود ہر جمعہ مجھے بھیجے جاتے ہیں، جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہوگا وہ سب سے زیادہ میرے قریب تر ہوگا۔

علامہ حافظ منذری نے کہا ہے کہ اس کا اسناد حسن ہے مگر مکحول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ابو امامہ سے نہیں سنا اور ''الصارم المنکی'' میں صفحہ ۱۸۹ پر ہے کہ اس کا اسناد جید ہے، ہاں البتہ اس میں ارسال ہے کیونکہ مکحول نے ابو اُمامہ سے نہیں سنا اور امام سخاوی نے ''القول البدیع'' میں فرمایا ہے کہ امام بیہقی نے حدیثِ مذکور کو حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کی قبولیت میں کوئی مضائقہ نہیں مگر جمہور کے قول میں کہا گیا ہے کہ مکحول نے ابو امامہ سے نہیں سنا، ہاں مسند شامیین میں ان کی ابو امامہ سے سننے کی تصریح کی ہے۔

اور علامہ مزی نے بھی ''التہذیب'' میں مکحول کی ابو امامہ سے سماعت کو ترجیح دی ہے تو اس بنیاد پر یہ سند متصل حسن ہے، اور طبرانی نے بھی ضعیف اسناد کے ساتھ مکحول سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ ربّ العزت اس پر دس مرتبہ رحمتیں بھیجتا ہے، اور ایک مؤکل فرشتہ ہے جو انہیں مجھ تک پہنچاتا ہے۔

اور محمد بن اسماعیل وراق نے فرمایا کہ ہمیں جبارہ بن مغلس نے حدیث بیان کی کہ ہمیں ابو اسحاق حازم نے یزید رقاشی سے حدیث بیان کی اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

> مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجو کیونکہ تمہارے یہ درود مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں۔

اور علامہ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ یہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن استشہاد کی صلاحیت رکھتی ہے اور طبرانی نے ''اوسط'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

> جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا وہ مجھے پہنچتا ہے، اس شخص کے لئے دعا کرتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حافظ منذری نے فرمایا کہ اس کی اسناد میں کوئی خدشہ نہیں۔

اور ابو یعلی نے اپنی مسند میں عبداللہ بن نافع کے واسطہ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں علاء بن عبدالرحمٰن بن خبر دی ہے کہ میں نے حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

> اپنے گھروں میں نماز پڑھو، انہیں قبرستان نہ بناؤ اور میرے گھر کو عید نہ بناؤ مجھ پر درود و سلام پڑھو کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارے درود و سلام مجھے پہنچتے ہیں۔

اور طبرانی نے ''الکبیر'' اور ''اوسط'' میں حمید بن ابی زینب کے واسطہ سے روایت کیا ہے اور وہ حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد گرامی سے کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

> تم جہاں بھی ہو مجھ پر صلوٰۃ پڑھو، کیونکہ تمہارے درود مجھ تک پہنچتے ہیں۔

حافظ منذری نے فرمایا کہ اس کی سند حسن اور قاضی ابو عبداللہ حسین بن اسماعیل نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

اور قاضی ابو عبداللہ حسین بن اسماعیل محاملی نے کہا ہمیں ابو حاتم رازی نے حدیث بیان کی کہ ہمیں ابن ابی مریم نے بتایا کہ ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی کہ مجھے حمید بن ابی جعفر حسن بن علی علیہما السلام نے روایت کی اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

> تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارے درود مجھے پہنچتے ہو۔

اور ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں نقل کیا کہ ہمیں ابو خالد احمر نے ابن عجلان سے حدیث بیان کی اور وہ سہل سے اور سہل، حسن بن حسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

> میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان، تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارے پڑھے ہوئے درود مجھے پہنچتے ہیں۔

اس کی سند صحیح ہے اور یہ مُرسَل ہے مگر حکمِ موصول میں ہے جیسا کہ واضح ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت حسن اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے پہلے گزر چکی ہے، اور ابو یعلی نے کہا ہے کہ ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ نے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زید بن حباب نے اور وہ کہتے ہیں ہمیں جعفر بن ابراہیم ''جو ذوالجناحین کی اولاد سے ہیں'' نے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حسن نے بتایا کہ انہوں نے ایک آدمی کو حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس آتے دیکھا اس نے اندر داخل ہو کر دعا کی تو اسے حضرت علی بن حسن نے کہا کہ میں تجھے اپنے والد گرامی سے روایت کردہ حدیث نہ سناؤں؟، جو انہوں نے میرے جدِ امجد

سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری قبر کو عید نہ بناؤ نہ اپنے گھروں کو قبرستان، مجھ پر سلام پڑھو تم
جہاں بھی ہو تمہارے سلام مجھے پہنچتے ہیں۔

علامہ سخاوی نے ''القول البدیع'' میں فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

میں کہتا ہوں بلکہ اس کی تخریج ''الحافظ ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی نے ان احادیث صحیحہ میں کی ہے جو بخاری و مسلم میں نہیں ہیں'' حافظ ابن عبدالہادی نے ''الصارم المنکی'' میں فرمایا: مقدسی کے شرائط حاکم کی شرائط سے احسن ہیں۔

اور ابوالشیخ، بزار، طبرانی، حارث بن ابی اسامہ وغیرہم نے نعیم بن ضمضم کے واسطہ سے ذکر کیا اور وہ ابن حمیری سے اور وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اللہ ربّ العزت کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ ربّ العزت نے پوری
مخلوق کے نام عطا فرمائے ہیں جب میں اس دنیا سے جاؤں گا وہ
میری قبر پر قائم رہے گا جو بھی مجھ پر درود بھیجتے ہیں تو وہ کہتا ہے یا محمد
ﷺ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے تو ہر صلوٰۃ کے بدلہ
میں اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

نعیم بن ضمضم نے کہا ہے کہ منذری نے کے خیال کے مطابق اس میں اختلاف ہے اور امام ذہبی نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ''اللسان'' میں فرمایا ہے کہ اس وقت تک میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے اسے ضعیف قرار دیا ہو اور ابن حمیری جن کا نام عمران ہے، اسے امام بخاری نے کمزور قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی حدیث میں پیروی نہیں کی جاتی، لیکن ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے اور باقی حدیث مذکور کے راوی صحیح کے راوی ہیں، جیسا کہ حافظ ہیثمی

نے فرمایا ہے اور امام احمد، امام نسائی، امام دارمی، ابونعیم، بیہقی اور خلعی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

کچھ اللہ ربّ العزت کے سیاح فرشتے ہیں جو میری اُمّت کا مجھے
سلام پہنچاتے ہیں۔

ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن عدی نے بھی ابن عباس سے ایسے ہی روایت کیا ہے اور علامہ دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں کہا ہے کہ ہمیں میرے والد گرامی نے بتایا کہ ہمیں ابوالفضل کرابیسی نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوالعباس ابن ترکان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موسیٰ بن سعید نے حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ میں احمد بن حماد بن سفیان نے حدیث بیان کی، اور وہ کہتے ہیں ہمیں بکر بن خراش نے فطر بن خلیفہ سے روایت کی اور وہ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

مجھ پر کثرت سے درود پڑھو، کیونکہ اللہ ربّ العزت نے میری قبر
کے ہاں ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جب بھی میری اُمّت کا کوئی فرد
مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ پکار کر کہتا ہے یا محمد ﷺ فلاں بن
فلاں نے آپ پر ابھی درود پڑھا ہے۔

علامہ حافظ سخاوی کی رائے کے مطابق اس کی سند میں ضُعف ہے، الحافظ ابن بشکوال نے حافظ سخاوی کی طرح ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

اللیلۃ الزھراء (جمعہ کی رات) اور **الیوم الاغر** (جمعہ کے دن)
تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش
کئے جاتے ہیں تو میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اور بخشش طلب

کرتا ہوں۔

اور ابن راھویہ، حرفی، ابن بشران اور علامہ بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''امت محمدیہ کا کوئی بھی فرد جب آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو آپ ﷺ کو وہ درود پہنچتے ہیں، فلاں عرض کرتا ہے فلاں، فلاں شخص آپ کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام پیش کرتا ہے''۔ اس کی سند صحیح ہے، یہ حدیث ہے تو موقوف لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ حدیث میں جس چیز کا بیان ہے اس میں عقل اور اجتہاد کوئی دخل نہیں۔ (تو لامحالہ صحابی نے حضور ﷺ سے سن کر ہی کہا)

اور حافظ ابوعبداللہ المقدسی نے ''المختارۃ'' میں کہا ہے کہ ابوعبداللہ محمد بن معمر نے اصفہان میں ہمیں خبر دی ہے کہ جعفر بن عبدالواحد نے ان کو اجازت دے کر بتایا کہ ابو القاسم عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن عبدالرحمٰن ہمدانی نے ہمیں خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابومحمد عبداللہ بن جعفر بن حیان (المعروف ابوالشیخ) نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عامر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابوقر صافہ، جندرہ جو صحابی رسول ﷺ تھے اور انہیں رسالتمآب نے ٹوپی بھی پہنائی تھی، لوگ ان کے پاس آتے جاتے تھے تو وہ ان کے لئے دعا کرتے، انہیں برکت حاصل ہو جاتی۔

ربّ کعبہ کی قسم! میرے والد نماز کے لئے بیدار کرتے ہیں

ابوقر صافہ کے صاحبزادے بلادِ روم میں جہاد کے لئے گئے تھے، ابوقر صافہ صبح صادق کے وقت عسقلان میں بلند آواز کے ساتھ پکارتے یَا قُرْصَافَةُ الصَّلٰوةُ تو بلادِ روم میں قر صافہ کہتے لبیک اے ابا جان تو ان کے دوست کہتے، تمہیں کیا ہو گیا آوازیں کستے رہتے ہو، تو وہ کہتے ربّ کعبہ کی قسم! میرے والد گرامی مجھے صبح کی نماز کے لئے

بیدار کرتے ہیں۔

یہی ابوقر صافہ کہتے ہیں، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رات کو سونے کے وقت بستر میں داخل ہو کر جس نے ''سورۂ تبارک'' کے بعد

اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْحِلِّ وَ الْحَرَامِ وَ رَبَّ الْبَلَدِ الْحَرَامِ وَ رَبَّ الرُّكْنِ وَ الْمَقَامِ وَ رَبَّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ بِحَقِّ كُلِّ آيَةٍ أَنْزَلْتَهَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بَلِّغْ رُوْحَ مُحَمَّدٍ مِنْ تَحِيَّةٍ وَ سَلَامًا

یعنی، اے اللہ! حل و حرام کے ربّ، بلد حرام کے ربّ، حجرِ اسود کے ربّ، مقامِ ابراہیم کے ربّ اور مشعرِ حرام کے ربّ، و بحق ہر آیت کریمہ جو تو نے رمضان شریف میں نازل فرمائی، روحِ محمد ﷺ کو میری طرف سے سلام کے تحفے پہنچا دے۔

چار مرتبہ پڑھا تو اللہ ربّ العزت دو فرشتے مقرر فرماتا ہے وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہی عرض کرتے ہیں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں:

فلاں بن فلاں کو میری طرف سے سلام، اللہ ربّ العزت کی رحمت اور برکت ہو۔

حافظ مقدسی کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو اسی واسطہ ہی سے جانتا ہوں اور یہ نہایت غریب ہے، اس کے راویوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں قیل و قال کیا گیا ہے، ابن قیم جوزی کہتے ہیں کہ یہ معروف یہ ہے کہ یہ امام ابوجعفر باقر کا قول ہے نہ کہ فرمانِ نبوی اور یہی بات مختار ہے۔ ایسی حدیث کا ادراک عقل و اجتہاد سے ناممکن ہے تو اس کے لئے بھی مرفوع کا حکم ہے۔

سعید بن منصور نے اپنی ''سنن'' میں کہا ہے کہ ہمیں حبان بن علی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن عجلان نے ابوسعید جوہری کے غلام ہیں کے واسطہ سے

حدیث بیان کی کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

میرے گھر کو عید بناؤ نہ اپنے گھروں کو قبرستان تم جہاں بھی ہو مجھ پر
درود پڑھو، کیونکہ تمہارے درود مجھے پہنچتے ہیں۔

اور قاضی اسماعیل نے کہا کہ ہمیں سالم بن سلیمان ضبی نے حدیث بیان کی وہ کہتے
ہیں کہ ہمیں ابوحرہ نے حسن کے واسطے سے حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ وہ مجھے پیش کئے
جاتے ہیں۔

اور ابراہیم بن حجاج سے بھی یہی روایت کیا گیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وھیب نے
ایوب کے واسطہ سے حدیث سنائی کہ میرے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ ایک فرشتہ مقرر ہے
کہ جو شخص رسالتمآب ﷺ پر درود پڑھے وہ وہ پہنچاتا ہے۔

اور قاضی اسماعیل نے بھی فرمایا ہے کہ ہمیں عبدالرحمٰن، یزید رقاشی سے روایت
کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ

جمعہ کے دن ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے حضور ﷺ پر جو شخص درود
پڑھے وہ ان تک پہنچاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ کی اُمت کا
فلاں آدمی آپ کی خدمت اقدس میں درود پڑھ رہا ہے۔

اور سعید بن منصور نے اسے اپنی "سنن" میں روایت کیا ہے اور بقی بن مخلد اور ابن
بشکوال نے اسے روایت کیا لیکن انہوں نے یوم الجمعہ کا ذکر نہیں کیا اور سعید بن منصور نے
اپنی "سنن" میں خالد بن معدان سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ہر جمعہ مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ میری اُمت کے پڑھے
ہوئے درود ہر جمعہ کو میری بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اور نمیری نے حماد الکوفی سے روایت کیا ہے کہ بندہ جب اپنے نبی ﷺ پر درود

سلام پڑھتا ہے تو اس آدمی کے نام کے ساتھ آپ ﷺ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔

تو ان احادیث اور آثار جن کی تعداد پندرہ سے زیادہ ہے واضح ہو جاتا ہے کہ
ہمارے صلوٰۃ و سلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں
کہ یہ بھی منجملہ اعمالِ اُمت سے ہیں جو نبی ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں، تو ان
تمام دلائل و شواہد کے ہوتے ہوئے "حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ" والی حدیث سے انکار کی
گنجائش کہاں رہ جاتی ہے؟ اگر وہ ضعیف بھی ہو تو ان شواہد کے ذریعہ سے وہ قبولیت کے
معیار کو پہنچ جاتی ہے حالانکہ ان شواہد و آثار سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف اسی حدیث
ہی کو دیکھا جائے تو یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور علماء اصول و حدیث ہی کو دیکھا جائے تو یہ
مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور علماءِ اصول و حدیث نے یہ قاعدہ بھی مقرر کیا ہے کہ حدیثِ
مُرسَل کی دوسری ایسی سند سے مروی ہو جو متصل ہو خواہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو ان دونوں
(متصل و مُرسَل) کا مجموعہ صحیح کہلائے گا یہ دلیل بن سکیں گی اور ان پر عمل کرنا ضروری ہو
گا، اگر ہم ابن مسعود کی صحیح روایت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بکر مزنی کی مُرسَل کو
حضرت انس سے مروی دونوں ضعیف حدیثوں کے ساتھ ملائیں تو حدیث مذکور پھر بھی صحیح
ہے، یہ اس وقت ہے جب ہم جمہور کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہیں کہ حدیث مُرسَل
ضعیف ہوتی ہے جب تک شواہد نہ ہوں، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

جب ہم مالکیہ و حنفیہ کا قول لیں

لیکن جب ہم مالکیہ اور حنفیہ کے قول پر عمل کریں تو تنہا مُرسَل کو صحیح قرار دیتے ہیں
تو اس پر بلا چون و چرا عمل کیا جائے گا چنانچہ علامہ عراقی نے "الفیہ" میں حنفیہ اور مالکیہ کا
حدیثِ مُرسَل کے بارے میں یہ مذہب بیان کیا ہے:

و احتج مالک کذا النعمان   بہ و تابعوھما و دانوا

امام مالک اور امام اعظم، نعمان بن ثابت نے اسے حجت قرار دیا

اور مالکیوں اور حنفیوں نے اپنے اپنے امام کی پیروی کی۔

اب تو تنہا امام بکر مزنی کی مُرسَل صحیح ٹھہری اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کی دو سندیں ہیں، ایک کو حافظ ابن عبد الہادی نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ وہ اس معاملہ میں بہت سخت ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب میں انہوں اس سند کو صحیح قرار دیا ہے جو انہوں نے ابن تیمیہ کی مدد کرتے ہوئے امام سبکی کے ردّ میں لکھی اور ہم ان کی تصحیح نقل کر چکے ہیں، مقصود اس سے یہ ہے کہ حدیث کے مقررہ تمام قواعد کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

میں مخالفین کو چیلنج کرتا ہوں

جو اس کا منکر ہے میں اسے چیلنج کرتا ہوں کہ قواعدِ حدیث اور قواعدِ اصول کے مطابق اسے موضوع قرار دے کر دکھائے بشرطیکہ وہ علمی بحث اور حق و انصاف کے مطابق چلے تو اسے موضوع قرار دینے کی راہ بھی نہ پا سکے گا، البتہ عبارات میں کذب بیانی، نص کا نقل کرنے میں تحریف کرنا، فریقِ مخالف کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا اس سے کوئی بھی عاجز و کمزور نہیں اور اس میدانِ کمینگی و سبّ و شتم (گالی گلوچ) میں سب سے بڑا ماہر وہی ہے جو بہت بڑا جاہل اور اخلاقِ حمیدہ سے عاری ہو، ہمارے مخالف جو کہنا چاہیں کہیں، جیسا چاہیں اپنے اعمال نامہ کو سیاہ کرتے پھریں، ہم اس میدانِ کمینگی و سفاہت میں جس کے وہ ماہر ہیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہم اپنے مطالبے سے ہٹ نہیں سکتے، ہمارا تو ایک ہی مطالبہ ہے کہ وہ صحیح علمی انداز سے حدیث مذکور کا موضوع ہونا ثابت کر دکھائیں، انشاء اللہ اس پر انہیں قدرت نہیں ہوگی اور بحمد للہ نہ اس تک پہنچ پائیں گے۔

واللہ یقول الحق و ھو یھدی السبیل

﴿باب دوم﴾

وارد کردہ اعتراضات کے جوابات

مخالفین نے حدیث مذکور پر چند اعتراضات کئے ہیں، بعض حضرات سے تو متعدد محافل میں ہم نے بلا واسطہ سنا، اور کچھ حضرات نے انہیں اپنے رسائل کی زینت بنایا، ہم ان دونوں کی حالت کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیئے اور ان کے لئے دعائے خیر کی، اس لئے کہ ہم نے ان کے اعتراضات کو ایسے پایا جیسے بخار زدہ آدمی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم قول کو ان کے حق سے محروم نہیں کرتے، ہم نے ان کے ایک ہی اعتراض کو ایسا پایا ہے جسے علمی بحث کے مُسلّمہ اصولوں کے مطابق کہا جا سکتا ہے، اور تعارض کے باب میں داخل کیا جا سکتا ہے، چنانچہ اس پر بات کرنے کے لئے ہم نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے تاکہ اس چیز کو واضح کیا جا سکے جو اکثر حضرات سے مخفی رہی، اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ انہوں نے جو حدیثِ حوض کے ضمن میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> قیامت کے دن میرے صحابہ کی ایک جماعت (حوضِ کوثر) پر میرے پاس آئے گی تو انہیں حوضِ کوثر سے دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے ربّ میرے صحابہ! تو اللہ ربّ العزت فرمائے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے (دین میں) کیا کیا چیزیں پیدا کیں؟ وہ پچھلے پاؤں مرتد ہو گئے تھے۔

دوسری روایت میں کچھ اضافہ کے ساتھ ہے کہ میں کہوں گا:

> ہلاکت ہے اس کے لئے جس نے میرے بعد تبدیلی کی، تباہی ہے اس کے لئے جس نے میری بعد تبدیلی کی۔

یہی حدیثِ حوض کا خلاصہ ہے، صحیحین میں اس کے الفاظ اور سندیں مختلف ہیں۔

سب سے مضبوط اعتراض

اور قسم بخدا، ان کا یہی مضبوط اعتراض ہے بلکہ حقیقت میں اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اعتراض ہے ہی نہیں اور اس کو بھی انہوں نے اس تعبیر سے مضبوط کیا ہے:

إذا (جهل) حال أصحابه الذين عرفوه و عرفهم فغيرهم من باب أولى

یعنی، جب وہ اپنے ان صحابہ کے حال سے (جاہل) ہیں جو انہیں جانتے نہیں اور وہ ان کو جانتے ہیں تو دوسروں سے بطریق اَولیٰ (بے خبر ہوں گے)۔

تو تمہارا یہ قول کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ اُمت کے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں؟ میں نے ان میں سے ایک کے کلام کو اسی کے الفاظ میں نقل کرنے کو اس لئے ترجیح دی تا کہ قارئین غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ وہ کیسے نبی کریم ﷺ کی طرف نہایت ہی سوقیانہ اور گستاخانہ الفاظ منسوب کرتے ہیں، اس واعظ کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ اپنے مقصد کو ان کلمات سے تعبیر کرتا:

إذا كان لا يعلم حال أصحابه الخ

یعنی، جب وہ اپنے صحابہ کے حالات کو نہیں جانتے۔

تو نبی کریم ﷺ کی ذات کے ساتھ ادب کا انداز تھا اور اس حدیث کی عبارت کے بھی موافق تھا جس سے اس نے استدلال کیا لیکن اس نے لفظ (جهل) کو ہی ترجیح دی، تو اس سے قاری کیا سمجھے گا؟ بالکل اسی طرح ان کے ایک اور کی بات:

إن حديث الحوض يضربُ حديث (حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ) بالحذاء

حدیثِ حوض حدیث حياتي خير لكم کو جوتے مارتی ہے۔

ان کا علمی مناقشہ دیکھئے اس کے بعد جو چاہیں ان پر حکم لگائیں، ہماری سابقہ گفتگو کے مطابق حدیثِ حوض بھی صحیح ہے، اگر ہم ان کی طرح جھگڑالو، فتنہ باز اور لڑاکے ہو جائیں تو حدیثِ حوض کے صحیح ہوتے ہوئے بھی ہم اسے رڈ کر سکتے ہیں، اس سلسلہ میں ہمارے پاس بہت مضبوط توجیہ موجود ہے، لیکن اللہ کی پناہ کہ ہم جھگڑالو بن جائیں یا کسی کو مغالطہ دیں بلکہ مُسلَّمہ اصولوں کے مطابق ہم اس کا جواب دیتے ہیں۔

ایک تمہیدی مقدمہ

جس کے تمہیدی طور پر ہم ایک مختصر سا مقدمہ ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ علومِ حدیث اور اصولِ حدیث میں معمولی سا درک رکھنے والا شخص بھی بخوبی جانتا ہے کہ جب دو دلیلیں باہم متعارض آجائیں تو محقق کو چاہئے دیکھے کہ دونوں کا جمع ہونا ممکن ہے؟ اگر دونوں کا جمع ہونا ممکن ہو تو اسی پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں دونوں دلیلوں پر عمل ہوتا ہے اور دونوں دلیلوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا بھی ممکن نہیں کیونکہ اس صورت میں کسی ایک کو چھوڑنا اور لغو قرار دینا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں، ہاں البتہ جب دونوں دلیلوں کا جمع ہونا مشکل ہو، بلکہ ان کے جمع ہونے کی صورت بھی ممکن نہ ہو تو ترجیح کی طرف رجوع کریں گے اور قوی تر کو دوسری پر مقدم کیا جائے گا، اگر وہ دونوں دلیلیں قوت میں برابر ہیں اور وہ ایک دوسرے کے لئے ناسخ بھی نہ بن سکیں تو دونوں کو چھوڑ کر تیسری کسی اور دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا، یہ بات ہر محقق، اسکالر اور صاحبِ فن جانتا ہے اور اسی پر صحابہ و تابعین سے لے کر تمام علماء کا عمل رہا ہے۔

صدیق اکبر اور دلائل میں تطبیق

کیا آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو نہیں دیکھا کہ کیسے

انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کے رسول ﷺ کے ترکہ سے وراثت دینے سے معذرت کر لی تھی حالانکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ" سے استدلال بھی کیا تھا تو صحیحین کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسالتمآب ﷺ کے:

لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَةٌ

یعنی، ہم کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

والے فرمان مبارک سے اسے خاص کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں دلیلوں کو جمع کرنے پر ہمیں انتہائی راغب نظر آتے ہیں، آپ غور فرمائیں، انہوں نے کیسے قرآن کریم کو حدیثِ رسول ﷺ کے ساتھ خاص کیا، ان کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ صرف قرآن کریم کو لے لیتے باقی سب کو چھوڑ دیتے، جیسا کہ آج کل بدعتی ایسا کرتے ہیں، لیکن بغیر کسی شرعی گنجائش کے دلیلِ صحیح کو چھوڑنا حرام ہے۔

اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، کُتُبِ حدیث اور اُصولِ حدیث کی کتابوں کے صفحات ان سے معمور ہیں، ہم نے محض اپنے مقصود کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال کا ذکر کیا ہے۔

حدیثِ حوض اور حدیثِ عرض الاعمال میں عدمِ تعارض کی وجوہ

آپ نے تمہید سمجھ لی تو ہم کہتے ہیں کہ حدیثِ حوض اور عرضِ الاعمال والی حدیث میں تعارض ہے نہ تناقض، اس کی وضاحت مختلف وجوہ سے کی جا سکتی ہے۔

۱۔ حدیثِ حوض مُرتدین کے بارے میں ہے

حدیثِ حوض مُرتدین کے بارے میں ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قبیصہ سے روایت کیا ہے کہ وہ لوگ جو حوض سے دور کر دیئے جائیں گے وہی لوگ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تو انہوں نے ان کے خلاف

جہاد کیا، حافظ ابن حجر نے "فتح الباری" میں "انهم ارتدوا علی اعقابهم" کے تحت یہ تحریر کیا ہے یہ "باب کیف الحشر" میں حضرت سے منقول تفسیر کے عین مطابق ہے، الخ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مرتدین کے اعمال آپ ﷺ پر پیش نہیں کئے جائیں گے کیونکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے اور آپ ﷺ کے درمیان تعلق منقطع ہو گیا۔ العیاذ باللہ تو جب آپ ﷺ ان کو بلائیں گے اور فرمائیں گے: "اے میرے رب! میرے صحابہ تو آپ ﷺ کا یہ خیال ہوگا کہ جیسا کہ آپ ﷺ نے ان کو چھوڑا تھا وہ اسی حالت پر رہے" تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ "آپ کے بعد وہ مرتد ہو گئے تھے، آپ کے اور ان کے تعلق نہ رہا"۔

لیکن عرضِ الاعمال والی حدیث آپ ﷺ کی اُمّت کے مسلمانوں کے لئے وارد ہوئی ہے کیونکہ قرآن کریم کے مطابق کافروں کے لئے تو استغفار جائز ہی نہیں۔

۲۔ حدیثِ حوض دوسری حدیث کے لئے مخصص ہے

حدیثِ حوض خاص اور حدیثِ عرضِ الاعمال عام ہے تو پہلی حدیث دوسری کے لئے مخصص ہوگی۔ اس کی وضاحت یوں ہے پہلی حدیث بتاتی ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کا ایک گروہ حوض سے دور کر دیا جائے گا، اور دوسری حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کی اُمّت کے اعمال آپ ﷺ کے حضور روضۂ انور میں پیش کئے جاتے ہیں، تو پہلی حدیث سے یہ خاص ہو جائے گی اس کا مفہوم کچھ یوں ہو جائے گا کہ پوری اُمّت کے اعمال آپ ﷺ کے حضور پیش کئے جائیں گے مگر ان میں سے ایک گروہ کے اعمال آپ ﷺ کے حضور پیش نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ ربّ العزت چاہتا ہے کہ ان میں حکم سزا نافذ رہے تو جب رسالتمآب ﷺ ان کو حوض کی طرف بلائیں گے تو آپ ﷺ کو کہا جائے گا، آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے کیا گل کھلائے؟ اسی لئے اس گروہ کے اعمال آپ ﷺ کے حضور پیش نہیں کئے گئے اور ہر خاص اور عام کا یہی معاملہ ہے کہ جب

دونوں جمع ہو جائیں تو عام کو خاص کے ذریعہ خاص کیا جاتا ہے اور دونوں دلیلیں باہم متفق ہو جاتی ہیں۔

حدیثِ حوض کے خاص ہونے پر دلائل

باقی حدیثِ حوض دو وجوہ کی بنا پر خاص ہے۔

(۱)...... ایک وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے مثلاً بعض روایات میں لیذادن رجال بعض میں اناس، اقوام، رھط کے الفاظ آئے ہیں، یہ سارے جمع اور نکرہ کے صیغے ہیں جو تحت الاثبات واقع ہوئے ہیں، اور اصولی قاعدہ ہے کہ جمع منکر تحت الاثبات عموم کا فائدہ نہیں دیا کرتی۔(۸)

(۲)......دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ ساری اُمت حوض سے دور نہیں کی جائے گی بلکہ فقط ان میں سے ایک گروہ دور کیا جائے گا اور یہی خصوص ہے، باقی عرضِ اعمال والی حدیث اس لئے عام ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد "تُعْرَضُ عَلَیَّ أَعْمَالُکُمْ" میں لفظ اعمال جمع مضاف ہے اور اصولی قاعدہ ہے کہ جمع مضاف ان صیغوں میں سے ہے جن کی حقیقی طور پر وضع ہی عموم کے لئے ہے۔

۳۔ اعمال کی پیشگی اجمالاً ہوتی ہے

عرضِ اعمال اور استغفار دونوں اجمالی طور پر ہوں گے مثلاً کہا جائے گا آپ کی اُمت نے یہ یہ نیکیاں کی ہیں، اسی طرح فلاں، فلاں گناہ کئے ہیں تو آپ ﷺ ان کی

۸۔ چنانچہ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی ۷۱۰ھ "المنار" عام کی بحث میں لکھتے ہیں: "نکرہ موضع اثبات میں خاص ہوتا ہے" اسی طرح اصول فقہ کی دیگر کتب میں بھی مذکور ہے اور منار کے شُرّاح نے عموم کا فائدہ نہ دینے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ (نکرہ) ایک فرد کے لئے ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایسی چیز مقترن نہیں ہو جو عموم کو واجب کرے جیسا کہ صاحب دُرّ علامہ علاؤ الدین حصکفی نے "افاضۃ الانوار" میں ابن ملک نے "شرح منار الانوار" میں اور ابن العینی نے اپنی شرح میں اور ملا احمد جیون نے "نور الانوار" میں لکھا ہے۔۱۲، محمد عطا اللہ نعیمی

نیکیوں پر اللہ ربّ العزت کی حمد بیان کریں گے جب کہ نافرمانیوں کی صورت میں ان کے گناہوں کی اللہ ربّ العزت سے مغفرت طلب کریں گے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ (۹)

ترجمہ: اپنے معاملات پر اور اہل ایمان مرد اور خواتین سے مغفرت بھیجئے۔

لیکن حدیثِ حوض "لَا تَدْرِیْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَکَ" کا مفہوم یہ ہے کہ آپ تفصیلاً ہر ہر فرد کے بارے میں نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ البتہ آپ اجمالی طور پر جانتے ہیں، (۱۰) اس کی مزید وضاحت کے لئے محسوس مثال یوں ہے کہ ہم میں سے ہر شخص سارے جہان کے حالات اجمالی طور پر جانتا ہے کیونکہ اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ اطرافِ عالم کے حالات کسی سے مخفی رہے، لیکن تفصیلی طور پر ہر شخص اور ہر ملک کی ہر جگہ کے حالات نہیں جانتا، اسی طرح ہم میں سے کوئی کہتا ہے "اے اللہ اُمت محمد ﷺ کو بخش دے" اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مغفرت کی دعا ہر فرد کے لئے علیحدہ علیحدہ پہنچے گی، یہ مثال انتہائی واضح ہے۔

انہیں تین وجوہ بلکہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اشکال ختم ہو گیا اور دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض بالکل جاتا رہا اس کے باوجود بھی جو شخص وجودِ تعارض پر مُصر ہو یا وہ حدیثِ حوض کو ترجیح دیتا ہو وہ مُعاند اور مُکابر ہے جس پر رسالتمآب ﷺ کا یہ فرمان:

الکبر بطر الحق و غمط الناس

یعنی، تکبر، حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

صادق آتا ہے جو شخص اس حد تک پہنچ جائے اس کے ساتھ بات چیت ختم ہو جاتی

۹۔ محمد: ۴۷/۱۹

۱۰۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں تفصیلی طور پر بتانا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے جیسے درود شریف پڑھنے والے کے متعلق ۔۱۲، محمد عطاء اللہ نعیمی

ہے اور اس پر ملامت کے تیر برستے ہیں۔

اعمال اُمّت اجابت کے پیش کئے جاتے ہیں نہ کہ اُمّت دعوت کے

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح الباری'' میں حدیثِ حوض پر جو گفتگو فرمائی تو اس میں ایسے اُمور بھی ہیں جن سے یہ واضح ہے کہ حدیثِ عرضِ الاعمال صحیح ہے اور اس میں بیان شدہ معاملہ ثابت و مسلّم ہے ان کی عبارت یہ ہے: دیگر علماء نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے حوض سے واپس کردیا جانا کفر کی وجہ سے ہی ہے اور اُمّتی سے مراد اُمتِ دعوت (جنہوں نے آپ کی دعوت کو رَدّ کیا) نہ کہ اُمتِ اجابہ (جنہوں نے آپ کے پیغام کو قبول کیا) ان اہل علم نے اپنی اس بات کو حدیثِ ابی ہریرہ سے ترجیح دی ہے کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا:

میں کہوں گا رحمت سے دُوری ہو ان کے لئے ہلاکت۔

(ایسے کلمات کافر کے لئے ہی ہو سکتے ہیں) اور ان کے حال کا آپ ﷺ پر مخفی ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے اگر ان کا تعلق اُمتِ اجابت سے ہوتا تو آپ ﷺ ان کے احوال کو جانتے، کیونکہ اُمتِ اجابت کے احوال آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاسکتے ہیں، ہمارے مقصود کی طرف اس میں بالکل واضح اشارہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق

حدیثِ حوض پر وارد شدہ اشکال

وجوہِ سابقہ مُسلّمہ قوت میں اگر چہ ان میں سے بعض بعض سے قوی ہیں کہ ساتھ دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کے بعد اب میں اس اشکال کو واضح کرنا چاہتا ہوں جو حدیثِ حوض پر وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ سمجھا جارہا ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو حوض سے دُور کردیا جائے، حالانکہ اللہ ربّ العزت نے تمام صحابہ کو عادل قرار دیا ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں ان کی تعریف کی ہے اور جمہور علماء و

ملّت اسلامیہ کا تمام صحابہ کرام یہاں تک کہ ان میں سے غیر معروف الحال کیوں نہ ہوں کی عدالت پر اجماع ہے تو یہ تمام کیسے صحیح ہوگا جب کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو حوض سے دُور کردیا جائے گا؟

اگر ہم حدیث کو مرتدین پر محمول کریں جیسا کہ علامہ باجی، قاضی عیاض وغیرہ کی رائے ہے تو علامہ خطابی کا تو یقین ہے کہ آپ ﷺ کے بعد ایک بھی صحابی مرتد نہیں ہوا، مرتد تو کچھ اعرابی لوگ ہوتے تھے، جن کا اسلام کے بارے میں کوئی کردار ہی نہیں، اور اگر ہم حدیث کو منافقین پر محمول کریں تو (اعتقادی) نفاق تو آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں تھا اور حدیث کہتی ہے ''لَا تَدْرِیْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَکَ'' اور اگر ہم حدیث کو مبتلا عین پر محمول کریں تو وہ آپ ﷺ کے صحابہ ہی نہیں وہ تو بعد کی پیداوار ہے، اگر ہم حدیث کو ان حضرات پر محمول کریں جنہوں نے مقام صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جنگ کی تو جمہور اُشاعرہ و ماتریدیہ اسے پسند نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے مخطی مجتہد تھے، اور اگر ہم حدیث کو اُمتِ دعوت یا اُمتِ اجابت کے نافرمانوں پر محمول کریں تو حدیث مذکور کے الفاظ اس کی نفی کرتے ہیں کیونکہ ان میں تصریح ہے کہ وہ آپ ﷺ کے صحابہ ہیں، آپ انہیں، وہ آپ کو پہچانتے ہیں اور آپ ﷺ ان کے نام لے کر ان کو پکاریں گے، پھر آپ کیسے اپنے صحابہ سے بری الذمہ ہوجائیں گے اور ان کیں حق میں کہیں گے ''ہلاکت ہلاکت'' ہو ان کے لئے۔ (۱۱)

۱۱۔ اس حدیث پر یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ یہ حدیث تقاضا کرتی ہے کہ ہم تمام صحابہ کرام کے لئے رضی اللہ عنہ نہ کہیں بلکہ ان حضرات کے لئے کہیں جن کے بارے میں یقین ہو کہ انہیں حوض سے دور نہیں کیا جائے گا اور ان کی تعیین نظریات و اغراض کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے، غالی شیعہ واقعۂ جمل کے اصحاب کو رضی اللہ عنہ نہیں کہیں گے اور ناصبی اور خارجی حضرت علی و حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو، جب کہ کچھ حضرات حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو پسند نہیں کرتے اور آپ کے لئے ہر فقہ کو حق پر سمجھنا ضروری ہوگا اور حدیثِ حوض اس کی تائید کرے گی اگر ہم==

آپ ﷺ تو وہ کریم آقا ہیں

آپ تو وہ آقا کریم ہیں جو عام گنہگار مسلمانوں سے بری الذمہ نہیں ہوں گے بلکہ ان کے حق میں شفاعت فرمائیں گے اور نافرمانوں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی ان کی خلاصی کی کوشش کریں گے، تو جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، حدیثِ حوض یقیناً محل اشکال ہے۔ (۱۲)

جن حضرات نے اس حدیث کے ساتھ حدیث عرضِ اعمال کا معارضہ قائم کیا بلکہ اس حدیث کو حدیثِ عرضِ اعمال پر ترجیح دی، ان کے لئے ضروری تھا کہ پہلے وہ اس حدیث کا مفہوم سمجھتے پھر وہ اس کو اور جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے اور جمہور کا اجماع ہے کہ "تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، اللہ ربّ العزت کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ و مقام ہے" جمع کرتے، جب یہ ان کے لئے صحیح ہو جائے اور اس کی توفیق بھی دیئے جائیں تب وہ جن احادیث کے ساتھ چاہیں اس کا معارضہ قائم کرتے پھریں،

== حدیث کو ان تمام پر منطبق کریں تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہم صحابہ کرام کی کثیر تعداد کے لئے رضی اللہ عنہ استعمال نہ کریں کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں اور اگر ہم اسے کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص کریں تو یہ سراسر زیادتی ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں، اب ان مخالفین کو چاہئے کہ ہمارے لئے متعین کریں کہ وہ کون سے صحابہ کرام ہیں جن کے لئے ہم رضی اللہ عنہ کہیں اگر وہ ایسا نہ کریں، وہ ہرگز ایسا کر بھی نہ سکیں گے، تو ہمارے ساتھ یقین کامل رکھیں کہ حدیثِ حوض مشکل المعنٰی اور متروک الظاہر ہے جس طرح ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

۱۲۔ یہی وجہ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ حجاج کرام کے لئے "جو مدینہ منورہ حاضری کے لئے آتے تھے" اس حدیث کی روایت سے منع کرتے تھے اس کے باوجود وہابیوں کو کہا جائے گا جب حدیثِ عرضِ اعمال تمہارے نزدیک حدیثِ حوض جس کی صحت پر اتفاق ہے، سے معارض ہے، تو حدیثِ حوض کے تو قرآن اور اجماع معارض ہے کیونکہ قرآن کریم حدیث عرض اعمال کی تائید کرتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے تو اب بتایئے دونوں حدیثوں میں سے کون سی حدیث اشکال سے دور ہے؟ اور کون سی قبولیت کے لائق ہے؟

لیکن وہ سمجھتے نہیں۔

خاتمہ

الفاظ حدیث کی تشریح

رسالتمآب ﷺ کا فرمان "حَیَاتِیْ" یعنی تمہارے درمیان میری موجودگی، "خَیْرٌ لَّکُمْ" اس میں تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ اس میں تمہاری خرافات فتنوں اور اختلافات سے حفاظت ہے جن کا یقینِ کامل اور نورِ عرفان سے نگاہِ نبوت مشاہدہ کر رہی تھی، پھر بعض ان بھلائیوں کی وضاحت فرمائی کہ رسالتمآب ﷺ کی موجودگی میں بھی ضرورت پڑتی رہتی ہے تو فرمایا: "تُحْدِثُوْنَ" تا پر پیش، حاء ساکن اور دال پر زیر، دونوں کا مصدر "احداث" تو معنی بنے گا تم ایجاد کرتے ہو چند امور اور افعال، جو تم اپنی عام و خاص زندگی میں کرتے رہتے ہو، ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکامِ شرعیہ نازل فرما دیتا ہے کہ یہ کام جائز ہیں یا ناجائز۔ یہ چیزیں حلال ہیں یا حرام، یعنی مقتضی اسباب کے مطابق اللہ تعالیٰ ان کے احکام کو نازل فرماتا رہتا ہے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک جماعت نے شراب پی، پھر نماز کا وقت آ گیا تو انہوں نے اپنے میں سے ایک کو امام بنا کر نماز کی ادائیگی شروع کر دی تو امام نے قرأت میں پڑھا:

قل یا ایھا الکافرون اعبد ما تعبدون

تو اللہ ربّ العزت نے حکم نازل فرمایا کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (۱۳)

یہ نہایت ہی وسیع باب بلکہ یہ علوم قرآن و حدیث کا حصہ ہے جسے "علم اسباب

۱۳۔ النساء: ۴/۴۳

النزول'' کہا جاتا ہے، مستقل اس موضوع پر بہت ساری کتابیں تالیف ہوچکی ہیں کچھ تو مطبوعہ ہیں جب کہ کچھ غیر مطبوعہ، پھر فرمایا:

وَ وَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ

یعنی، میرا اس دنیا سے وصال کرجانا ہی تمہارے لئے خیر ہے۔

''صحیح مسلم'' میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

> اللہ ربّ العزت جب اپنے بندوں میں سے کسی اُمّت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس اُمّت کے نبی کو پہلے بلا لیتا ہے اور اس نبی کو اُمّت سے پہلے اصلاح کرنے والا، انتظام کرنے والا بنا دیتا ہے، اور جب اللہ ربّ العزت کسی قوم کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس قوم کو ان کے نبی کی موجودگی میں عذاب دیتا ہے، نبی دیکھ رہا ہوتا ہے اور اللہ ربّ العزت اس کو ہلاک کرکے نبی کی آنکھوں کو ٹھنڈک عطا کرتا ہے کہ کیسے انہوں نے نبی کو جھٹلایا اور اس کی نافرمانی کی۔

الفَرَط: فاء اور راء پر زبر، وہ جو قوم سے آگے جائے تاکہ رہائش اور ضروریاتِ زندگی کا انتظام کرے، حدیث مسلم میں لفظ ''الفرط'' کے ساتھ جس ضمیر کی طرف اشارہ فرمایا اس کی تشریح حدیث عرضِ اعمال میں یوں فرمائی۔

تُعْرَضُ عَلَیَّ أَعْمَالُکُمْ ''تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں''(۱۴)

۱۴۔ وہابیوں نے اس جملہ پر بھی اعتراض کیا ہے کہ قرآن اس جملہ کے معارض ہے، اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکایۃً فرمایا ہے:

وَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ (المائدہ:۵/۱۱۷) =

....

= یعنی، اور میں ان پر مطلع تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا۔

تو شہادت ''جو کچھ انہوں نے زندگی میں دیکھا'' اس کے ساتھ خاص ہے وہاں تو عرض وغیرہ ہے ہی نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ کئی وجوہ کی بناء پر حدیث مذکور کے معارض نہیں ہے:

۱۔ آیت کریمہ نصاریٰ کے دعویٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ خود اللہ یا اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کے ساتھ خاص ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیا ہے:

ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المائدہ:۵/۱۱۶)

یعنی، کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنالو۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نفی کی کہ انہوں نے ایسا کہا ہو اور انہوں نے اس سے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کی ہے پھر کہا:

وَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ (المائدہ:۵/۱۱۷)

میں جب تک ان میں رہا میں ان کو اس قول سے روکتا تھا۔

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ

آسمان کی طرف اٹھانے سے۔

کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ (المائدہ:۵/۱۱۷)

ان میں سے تو جس کی ہدایت چاہتا ہے انہیں روک دے اور اس کی حفاظت فرما۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو تب روک سکتے ہیں جب ان میں موجود ہوں جب انہوں نے ان کو چھوڑ دیا تو اب انہیں روک نہیں سکتے، اگرچہ ان کے اعمال ان پر پیش ہی کیوں نہ کئے جائیں تو آیہ کریمہ کا عرض اعمال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، نفی میں نہ اثبات میں۔

عرض اعمال آپ کے ساتھ مخصوص ہے

۲۔ عرض اعمال کی تخصیص ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے جیسا کہ دوسرے بہت سارے فضائل کی تخصیص فقط آپ ﷺ کے ساتھ ہے کوئی اور نبی ان میں آپ ﷺ کا شریک نہیں، اور جب اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کی وجہ سے آپ کی امت کی تکریم کی ہے کہ اُسے دوسرے تمام اُمتوں کے لئے انہیں گواہ بنا =

یاد رہے کہ یہ عرض اجمالی ہوگا جیسا کہ وجوہ تطبیق احادیث کی تیسری وجہ میں یہ بات گزر چکی ہے یا مجھ پر تمہارے محض عمل پیش کئے جاتے ہیں، وہاں صاحبِ عمل کا ذکر نہیں ہوتا، جیسا کہ چوتھی وجہ میں بیان ہو چکا ہے کیونکہ نفسِ عمل کی معرفت مقصود ہے کہ آیا ان کا تعلق خیر سے ہے یا شر سے، اس سے کفار اور منافقین کے اعمال نکل گئے کیونکہ وہ پیش ہی نہیں کئے جاتے، پھر فرمایا: فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ "یعنی جب تمہارے اعمال خیر دیکھتا ہوں حَمِدْتُ اللّٰه "تو تمہیں توفیق اور ہدایت دینے پر اللہ کی حمد کرتا ہوں، وَ مَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ "جب اعمال شر دیکھتا ہوں" اَسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ "تو تمہارے لئے اجمالی طور پر مغفرت طلب کرتا ہوں یا میں اللہ ربّ العزت سے مزید اعمال صالحہ کی تمہارے لئے ہدایت و راہنمائی طلب کرتا ہوں جن سے تمہارے گناہ معاف کئے جائیں۔

حدیثِ مذکور سے چند اُمور کا ثبوت

(۱)......قبر شریف میں آپ ﷺ کی حیات اپنی برزخی حیات ہے، جو حیاتِ شہداء سے بھی اکمل ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (۱۵)

= دیا تو ایسا کیوں نہیں ہے کہ عرض اعمال کا سلسلہ فقط اُمتِ مُسلمہ کے ساتھ خاص ہو۔

دوسرے انبیاء کو یہ درجہ دینے کی ضرورت نہ تھی

۳۔ دوسرے تمام انبیاء کرام کی دعوت فقط ان کی اقوام کے ساتھ خاص ہے، ان کی شریعت بھی فقط ان کے زمانے تک محدود رہی، جب ان میں سے کوئی نبی اس دنیا سے چلا گیا، کسی اور کے لئے اس نبی کی پیروی ضروری نہ تھی تو ان انبیاء کی شہادت اپنی اقوام کے لئے قاصر تھی، چنانچہ ان پر عرضِ اعمال کا کوئی معنی و مطلوب نہ تھا، لیکن آپ ﷺ کی شریعت بھی باقی ہے اور آپ ﷺ کی اُمت بھی قیامت تک کے لئے قائم و دائم ہے، تو یہاں عرض اعمال ضروری تھا تا کہ آپ ان کے لئے عینی شہادت دے سکیں۔ واللہ المستعان

۱۵۔ البقرہ:۲/۱۵۴

اللہ کی راہ میں قتل کئے جانے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ ربّ العزت نے فرمایا:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۱۶)

اللہ کی راہ میں قتل کئے جانے والوں کو مردہ گمان ہی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے ربّ کے ہاں رزق پاتے ہیں اور انہیں جو اللہ کا فضل ملا ہے اس پر خوش ہوتے ہیں۔

امام ابن حزم نے "المحلی" میں فرمایا ہے: مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں کہ انبیاء کو تمام سے افضل نہ ماننے والا کافر ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ و منزلت تمام مخلوق سے ارفع ہے، اللہ ربّ العزت کے ہاں ان کی بزرگی تمام سے اتم ہے اور ربّ العزت کے ہاں دوسروں کی بنسبت ان کی تکریم زیادہ ہے، جو شخص اس میں اختلاف کرتا ہے وہ مسلمان ہی نہیں، اور علامہ حافظ امام سخاوی علیہ الرحمہ نے "القول البدیع (ص۱۲۵)، المحلی (ص۲۵)" میں فرمایا ہے: ان احادیث کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ ہیں اور یہ عادۃً محال ہے کہ دن رات میں کوئی ایسا وقت و لمحہ ہو جس میں کوئی نہ کوئی آپ کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام نہ کرتا ہو اور ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ رزق دیئے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی، اور اس پر اجماع ہے، بعض علماء نے شہداء اور مؤذنین کو بھی اس حکم میں شامل فرمایا ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بعض علماء و شہداء کی قبریں کھودی گئیں تو ان کے اجسام میں تغیر تک نہیں تھا، حتیٰ کہ بعض کی مہندی کا رنگ بھی تبدیل نہیں ہوا تھا (ف) اور انبیاء کرام تو یقیناً شہداء سے

۱۶۔ آل عمران:۳/۱۶۹،۱۷۰

افضل ہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَرَرْتُ بِمُوْسٰی لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ وَ هُوَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ

معراج کی رات کثیب احمر سے میرا گزر ہوا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ فِی الْحِجْرِ وَ قُرَیْشٌ تَسْاَلُنِیْ عَنْ مَسْرَایَ

میں حطیم کعبہ میں تھا کہ قریش مجھ سے رات کے سفر کے بارے میں سوال کر رہے تھے۔

اور اسی حدیث میں ہے:

وَ قَدْ رَاَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَةٍ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ فَاِذَا مُوْسٰی قَائِمٌ یُصَلِّیْ فَاِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ کَاَنَّهٗ رَجُلٌ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ وَ اِذَا عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ قَائِمٌ یُصَلِّیْ اَقْرَبُ النَّاسِ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَ اِذَا اِبْرَاهِیْمُ قَائِمٌ یُصَلِّیْ اَشْبَهُ النَّاسِ بِهٖ صَاحِبُکُمْ فَحَانَتِ الصَّلٰوةُ فَاَمَمْتُهُمْ. الحدیث

یعنی، میں نے اپنے آپ کو گروہ انبیاء میں پایا، میں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ قبیلہ شنوہ کے لوگوں کی طرح گھنگھریالے بالوں والے تھے، اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ عروہ بن مسعود سے بہت مشابہ ہیں، اور پھر ابراہیم علیہ السلام کھڑے

ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اور پھر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں، پھر نماز کا وقت آیا اور میں ان سب کا امام ہوا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث صحیح میں ہے کہ

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔

علامہ بیہقی وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس تمام بحث سے مقصود یہ ہے کہ قرآن کریم، سنّت اور اجماع، تمام قبور میں حیاتِ انبیاء پر دلالت کرتے ہیں اور یہ کہ ان کے اجساد بوسیدہ نہیں ہوتے۔

(۲)......آپ رؤف رحیم کے درجہ پر فائز ہیں: نبی کریم ﷺ اپنی اُمّت کی ہمیشہ خیر خواہی کرتے تھے، اور ہر موقعہ پر ان کے لئے خیر و بھلائی اور دعا مانگی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ مؤمنین کے ساتھ رؤف الرحیم ہوں جیسا کہ خود آپ کے خالق اللہ ربّ العزت نے آپ کا خاص وصف بیان فرمایا ہے اور قیامت کے دن آپ کی رحمت مزید واضح اور جوش میں ہوگی جب آپ شفاعت کے لئے آگے بڑھیں گے اور بار بار یکے بعد دیگرے اپنی اُمّت کے لئے اللہ ربّ العزت سے درخواست کریں گے اور آپ کا ربّ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا، آپ کو عطا فرمائے گا اور آپ کو اپنے قریب کرے گا، یہاں تک کہ جہنم کا داروغہ کہے گا: آپ نے اپنی اُمّت میں اپنے ربّ کے غصہ کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، اللہ ربّ العزت ہماری طرف سے آپ کو وہ اکمل و افضل بدلہ دے کہ کسی نبی کو اس کی اُمّت سے ایسا بدلہ نہ ملا ہو۔

(۳)......اعمال کی پیشگی گناہوں کے ترک کا اہم سبب ہے: اس سے گناہوں کے چھوڑنے اور نیکیاں کرنے پر اُبھارنا لازم آتا ہے کیونکہ جب مسلمان کو یقین ہو جائے

کہ اس کے اعمال نبی ﷺ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں اور وہ ان کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، تو جتنا بھی ممکن ہو سکے گا وہ شخص نیکیاں زیادہ کرے گا اور گناہوں سے دور رہو گا کہ اس کے نبی خوش ہوں، انہیں فرحت حاصل ہو اور جب حضرت ابو الدرداء ایسے عمل سے اللہ ربّ العزت کی پناہ مانگیں جس سے وہ اقرباء کے حضور رسوا ہوں تو ایک مسلمان سے کیسے اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ ایسا عمل کرے جس سے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں رسوا ہو۔

جزء اختتام کو پہنچا، ۱۰ شوال المبارک ۱۳۶۸ھ بدھ کے دن صبح کے وقت اس سے فراغت حاصل ہوئی، حسن و سعادت کے ساتھ اللہ ربّ العزت ہمارا خاتمہ فرمائے، اسی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں، ہمارے والدین، ہمارے مشائخ و اساتذہ اور ہمارے دوستوں کی مغفرت فرمائے، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

و لا حول و لا قوّة الّا باللّٰه العليّ العظيم

بعد نمازِ صبح بروز منگل ۱۹ ذوالحج ۱۴۱۶ھ بمطابق ۷ مئی ۱۹۹۶ء اس کتاب کے ترجمہ سے فراغت حاصل ہوئی۔

فقط

مترجم خادم العلماء رسول بخش سعیدی

حضرت سلطان باہو ٹرسٹ برمنگھم، یو۔کے

فائدہ

کیا صحت حدیث کے لئے اس کا صحاح ستہ میں پایا جانا ضروری ہے؟

جب وہابیوں کے سامنے حدیث عرضِ اعمال کی طرح ایسی حدیث آجائے جو ان کی خواہشات کے مطابق نہ ہو اور اس کی تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو تو اسے یہ کہتے ہوئے رَدّ کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں نہیں ہے یا صحاح ستہ ”بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ“ کے مؤلفین میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا، دراصل وہ اس سے کم علم شخص کو وہم میں مبتلا کرتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو صحیحین میں یا صحاح ستہ میں نہ پائی جائے وہ ضعیف ہے یا موضوع۔ یاد رہے کہ یہ ابہام باطل کسی صحیح علمی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ یہ من جملہ ان بدعات سے ہے جن کا اظہار انہوں نے آج کل کر رکھا ہے، دنیا کے کسی عالمِ دین، فقہاء مجتہدین بلکہ حفاظ حدیث اور محدثین نے، کسی نے بھی آج تک صحتِ حدیث کے لئے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ صحاح ستہ میں موجود ہے، بلکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب حدیث میں صحت کی شرائط پائی جائیں تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے خواہ وہ صحاح ستہ میں ہو یا نہ۔ شیخ ابن تیمیہ کو دیکھئے اپنی کتابوں میں ایسی احادیث لاتے ہیں جو خلال، ابن بطہ وغیرہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں، حافظ ابن قطان کو دیکھئے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو صحیح قرار دیا ہے کہ وہ جوتوں کی حالت میں وضو کرتے تھے، پاؤں کے دھونے کی جائے بس جوتوں پر مسح کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ رسالتمآب ﷺ ایسا کرتے تھے، اس کو بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور حافظ ضیاء مقدسی نے ”المختارۃ“ میں بہت سی ایسی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، جو

صحاح ستہ میں نہیں پائی جاتیں، اور دمیاطی، منذری، عراقی، عسقلانی وغیرہ حفاظِ حدیث نے بھی ایسا کیا ہے، اور علامہ حافظ ابن حزم نے ''مراتب الریاۃ'' میں اپنی صحیح کتب حدیث کی فہرست ترتیب دی ہے، جس پر اعتماد کیا جاتا ہے تو فرمایا: پہلے نمبر پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔

پھر صحیح ابن السکن، ابن جارود کی منتقی، قاسم بن اصبغ کی منتقی، ان کتابوں کے بعد سنن أبی داؤد، سنن نسائی، قاسم بن اصبغ کی مصنف، امام طحاوی کی تصانیف، مسند احمد، مسند بزار، مسند ابن ابی شیبہ، مسند عثمان، مسند ابن راھویہ، مسند طیالسی، مسند حسن بن سفیان ہیں الخ۔ مزید تفصیل کے لئے ''تدریب الراوی شرح تقریب النواوی'' کی طرف رجوع کریں، مقصود یہ ہے کہ وہ احادیث کریمہ جو صحاح ستہ میں مروی نہیں ہیں، ان کے بارے میں وہابیہ کا خیال صحیح نہیں ہے، نقل اس کی تائید کرتی ہے نہ عقل، وہ تو ایسی بدعت ہے جو ان کی خواہشات کی مطابق نہ ہوان سے جان چھڑانے کے لئے اسے گھڑا ہے کیونکہ وہ لوگ انصاف نام کی کوئی چیز پہچانتے ہیں، نہ انہوں نے کبھی اس کا ذائقہ چکھا ہے، شاید انہوں نے پوری زندگی میں اسے سُنا بھی نہ ہو، ہاں فریقِ مخالف اور مناظر سے ضرور سنتے ہوں گے۔

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ ہمیں اور انہیں صحیح راستے کی ہدایت فرمائے، آمین

و ما علینا الاّ البلاغ المبین